صرف اُن قارئین کے لئے جو مُسکرانا چاہتے ہوں

شگفتہ سیریز ۱

زندہ دل لوگوں کے لئے زندگی سے بھرپور تحریر

گھر کی مرغی

اثر نعمانی

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

صرف اُن قارئین کے لئے جو مسکرانا چاہتے ہوں

شگفتہ سیریز ۱

زندہ دل لوگوں کے لئے زندگی سے بھرپور تحریر

گھر کی مرغی

اثر نعمانی

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

سنہ اشاعت ——— ۱۹۸۷ء
ناشر ——— اعجاز رسول
قیمت ——— /۳۰ روپے

مطبوعہ: نیوسف پرنٹرز فاضل فلیٹس ناظم آباد ۲ کراچی

کتابیات پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی

روایت

کتاب کسی موضوع پر ہو، کسی قسم کی ہو، اس کے اوائل میں صفحے ڈیڑھ صفحے کا اداریہ یا دیباچہ لکھنے کی ایک روایت سی پڑ گئی ہے لہٰذا تمام تکلفات کو بالائے بام رکھتے ہوئے ہم نے اپنے اداریے کا نام ہی "روایت" رکھ دیا ہے۔ یوں بھی روایت کے لفظی معنی اظہار یا بیان و کلام کے ہیں سو ہم آپ سے ہمکلام ہیں۔

اثر نعمانی کی ذات نہ تعارف کی محتاج ہے نہ تعریف و توصیف کی! وہ ایک بہترین شارٹ اسٹوری رائٹر ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب ناولسٹ بھی ہیں۔ اثر نعمانی نے بہت لکھا ہے۔ اور اسے بہت پسند کیا گیا ہے۔ تراجم اور طبعزاد کہانیوں کی طویل فہرست ہے جو بلند پایہ ڈائجسٹوں کی زینت بنیں اور ان کی تخلیقات کتابی شکل میں بھی شائع ہوئیں۔ اثر نعمانی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ موضوع کے پابند نہیں ہیں۔ سراغرسانی، اسرار، مہم جوئی، معاشرہ، غرض موصوف نے ہر نوع کی کہانیاں لکھی ہیں اور اب آپ کے لئے

ہنسنے ہنسانے کا سامان لے کر آئے ہیں۔ آج کے بھاری بھرکم دور میں یہ ہلکی پھلکی اور شگفتہ تحریر یقیناً آپ کی کلفتوں کو مسرتوں میں بدل دے گی۔ اس سلسلے کے پہلے دو ناول "گھر کی مرغی" اور "حکیمی ٹیکسی" پیش کئے جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے اس سلسلے کو پسند کیا تو "شگفتہ سیریز" کے دو ناول ہر ماہ پیش کئے جاتے رہیں گے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ زیر نظر ناول اپنی ہمہ گیر مقبولیت، منفرد انداز بیان اور بے پناہ دلچسپی کے باعث اشاعت ثانی کے تحت آپ کے ہاتھوں تک پہنچ رہے ہیں۔ بہرحال گھر کی مرغی تناول فرمائیے اور ذائقے سے مطلع کیجئے۔ خیال رہے یہ وہ مرغی نہیں ہے جو دال برابر ہوتی ہے۔ بلکہ مرغی تو مرغی ہی ہوتی ہے خواہ گھر کی ہو یا ...... پڑوسن کی!!

والسلام

(ادارہ)

مونگ پھلی کا لفافہ اختر نے پکڑ رکھا تھا۔ ندیم نے ہاتھ بڑھا کر دو چار مونگ پھلیاں نکالیں انہیں پھیلا اور دانوں کو ہتھیلی میں مسل کر نہایت اطمینان سے پھونک ماری۔ بیشتر چھلکے اڑ کر سامنے کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی لڑکی کی ساڑھی پر جا گرے۔ لڑکی نے گھوم کر ندیم کی طرف دیکھا

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ خشمگین نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"بدتمیزی نہیں محترمہ۔ مونگ پھلی۔ نوش فرمایئے۔" ندیم نے اختر کے ہاتھ سے لفافہ لے کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"شٹ اپ" لڑکی نے کہا اور منہ پھیر لیا۔

"پتہ نہیں سینما ہال میں یہ گندگی پھیلانے کی اجازت کیوں دے دی جاتی ہے؟" لڑکی اپنی سہیلی سے مخاطب تھی۔

"اختر بھیا۔ شٹ اپ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟" ندیم نے پوچھا۔

"سلیس اردو میں اس کا مطلب ہے بکواس بند کرو" اختر نے جواب دیا "مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں نہیں یہ سامنے والی مائی پوچھ رہی تھیں" ندیم نے سادگی سے بتایا "مگر دشواری یہ ہے کہ بکواس بند کرنے کے لیئے منہ بند کرنا پڑتا ہے اور بند منہ سے مونگ پھلی کھانا تقریباً ناممکن ہے؟"

"میرا خیال ہے تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ مائی جی نے بک اپ کہا ہوگا؟"

"گویا بکواس جاری رکھی جائے؟" ندیم جلدی سے بولا۔

"کچھ لوگ اس وقت تک باز نہیں آتے جب تک سر پہ دو چار سینڈل نہ پڑ جائیں،" ساڑھی والی لڑکی اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھی۔

تم ان کی باتوں پر توجہ ہی کیوں دیتی ہو؟" سہیلی نے جواب دیا۔ "جتنا تم چڑو گی وہ اتنا ہی اور چڑائیں گے۔ گدھے رینک رہے ہیں تو رینکنے دو تمہاری بلا سے"

اس وقت ہال کی روشنیاں گل ہو گئیں اور اسکرین پر سلائڈز دکھلائی جانے لگیں۔ ساڑھی والی لڑکی نے بال اس انداز سے بنا رکھے تھے کہ سر بقدر دس بارہ انچ اونچا ہو گیا تھا۔ پکچر شروع ہوئی تو ندیم کو صرف نصف پردہ ہی نظر آرہا تھا۔ وہ ذرا سا داہنی طرف جھک گیا۔ لڑکی بھی ادھر ہو گئی۔ ندیم بائیں جانب ہوا تو از راہ شرارت یا اتفاقاً لڑکی بھی اس طرف آگئی اور اپنی سہیلی سے کچھ باتیں کرنے لگی۔

"یار تم سے سیدھا نہیں بیٹھا جاتا؟" اختر نے کہا۔ "کیا بار بار پہلو بدل رہے ہو؟"

"پہلو نہیں بدل رہا ہوں بھیا مختلف زاویوں سے اسکرین تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیا پکچر شروع ہو گئی؟"

"پکچر شروع ہو گئی؟" اختر نے حیرت سے دہرایا۔ "جناب وہاں ایک ریل نکل چکی ہے۔ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہو کیا؟"

"آنکھیں تو کھلی ہیں مگر نگاہ کو گذرنے کا راستہ نہیں ملتا۔ درمیان میں کے ٹو کی چوٹی حائل ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ کیسے کوہ پیما ہو کہ ایک معمولی چوٹی سر نہیں کر سکتے۔"

"یہ ہی کرنا پڑے گا" ندیم نے ایک گہری سانس لی اور آگے کی طرف جھک کر ساڑھی والی لڑکی کے کان میں بولا۔

"محترمہ آپ یہ گٹھری سر سے اتار کر گود میں نہیں رکھ سکتیں۔ آپ کی قسم مجھے کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔"

لڑکی بھنا کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ لوگ شرافت سے نہیں باز آئیں گے،" اس نے تیزی سے کہا اور چلنے لگی۔ آس پاس کے لوگ چونک کر اس طرف

دیکھنے لگے تھے

"کہاں جا رہی ہو" سہیلی نے پوچھا۔

"مینجر کے پاس" ساڑھی والی نے جواب دیا۔

"کیا معاملہ ہے خاتون" قریبی نشست سے کسی نے پوچھا۔

"دیکھئے بھائی صاحب یہ غنڈے بہت دیر سے ہم سے پیچھے پڑے ہوئے ہیں" سہیلی نے شکایت کی۔

"کیوں جناب" وہ صاحب اندھیرے میں ندیم کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہاں جناب" ندیم نے گردن ہلائی۔

"آپ کو شرم نہیں آتی۔"

"آتی ہے۔"

"تو پھر...... پھر آپ کیوں ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

"اس لئے کہ ہمارے ٹکٹوں پر یہ ہی سیٹ نمبر لکھا ہے"! ندیم نے جواب دیا۔

اختر نے تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام مونگ پھلی کے چھلکے سمیٹ کر دونوں لڑکیوں کی سیٹ کے نیچے بکھیر دیئے اور مونگ پھلیوں کا لفافہ بھی بڑی صفائی سے سہیلی کی نشست پر رکھ دیا۔ اسی وقت وہ لڑکی مینجر کو ساتھ لئے واپس آئی۔ سینما بڑا معیاری اور دیکھنے والے مہذب تعلیم یافتہ تھے۔ چنانچہ یہ گڑبڑ صرف ان ہی دو چار سیٹوں تک محدود تھی۔

"آپ لوگ ذرا باہر آیئے" مینجر نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

"کیوں" ندیم نے پوچھا۔

"آپ ان شریف خواتین کو پریشان کر رہے ہیں۔"

"ایک منٹ مینجر صاحب کون کس کو پریشان کر رہا ہے۔ یہ بات ابھی آپ کی سمجھ

میں آجائیے گی۔" ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا "آپ ذرا یہاں میری سیٹ پر بیٹھ جائیے۔"
ندیم نے مینجر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی کرسی پر بٹھا دیا۔

"اور محترمہ اب آپ بھی اپنی جگہ تشریف رکھیں"۔ ندیم نے ساڑھی والی سے کہا۔ لڑکی ہچکچائی۔

"آپ اپنی سیٹ پر بیٹھیں میں ان لوگوں سے ابھی نپٹے لیتا ہوں۔" مینجر نے کہا۔ لڑکی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔

"اب آپ کو زحمت نہ ہو تو مجھے یہ بتا دیجئے کہ اس وقت اسکرین پر کیا ہو رہا ہے"۔ ندیم نے مینجر سے کہا۔

ساڑھی والی لڑکی کے بال واقعی بہت اونچے تھے۔ مینجر نے نگاہ اٹھائی تو تقریباً پورا اسکرین چھپا ہوا تھا۔

"ذرا اس طرف ہو جائیے" مینجر نے بے ساختہ لڑکی سے کہا۔

"بس جناب یہ ہی درخواست میں نے ان محترمہ سے کی تھی"۔ ندیم نے سادگی سے بتایا۔ آس پاس کے لوگ ہنسنے لگے۔

مینجر بھی مسکراتا ہوا اٹھا۔ "آپ دونوں پچھلی سیٹ پر آجائیں"۔ اس نے لڑکیوں سے کہا "بات صرف اتنی ہی نہیں تھی مینجر صاحب" ساڑھی والی اس شکست پر تلملا کر بولی "یہ ہمارے اوپر مونگ پھلی کے چھلکے بھی پھینک رہے تھے۔"

مینجر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ کی روشنی لڑکیوں کی سیٹ پر ڈالی۔ اسے مونگ پھلیوں کا لفافہ نظر آگیا اور نیچے گرے ہوئے چھلکے بھی۔

"یہ کیا ہے" اس نے لفافہ اٹھا لیا۔

"دیکھا آپ نے مینجر صاحب" اختر جلدی سے بولا "مونگ پھلیاں ان کی سہیلی کھا رہی تھی۔ شرارت اس نے کی ہو گی اور نام ہمارا لیا جا رہا ہے۔ یہ آج کل کی لڑکیاں اسی طرح تو شریف نوجوانوں کے گلے پڑ جاتی ہیں۔"

"آپ لوگ پچھلی سیٹوں پر آکر بیٹھ جائیں"۔ مینجر نے خشک لہجہ میں کہا اور

ندیم کی طرف دیکھ کر بولا "معاف کیجئے گا میں نے آپ کو بلا وجہ پریشان کیا"
اور یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ دونوں لڑکیاں خاموشی سے پیچھے آکر بیٹھ گئیں۔ اختر اور ندیم آگے چلے گئے۔

اتفاق سے وہ اس کلاس کی سب سے پچھلی قطار تھی ورنہ پھر اس کے بعد والے لوگوں کو شکایت پیدا ہو جاتی۔

"دیکھ لیجئے جناب" ندیم نے ان صاحب سے کہا جنہوں نے پہلے بازپرس کی تھی "اب یہ لڑکیاں ہمارے پیچھے پڑی ہوئی ہیں یا نہیں۔"

ندیم نے آہستہ سے مین گیٹ کھولا اور دبے پاؤں برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف چلا۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے غراہٹ سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو موتی کھڑا دم ہلا رہا تھا۔

"شش" ندیم ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے بولا "کیا آج پھر ڈانٹ پڑوانے کا ارادہ ہے۔ چل بھاگ۔"

"عف" موتی نے آہستہ سے آواز نکالی۔

"کمال ہے یعنی اب گھر کے کتے بھی بازپرس کرنے لگے ہیں" ندیم بڑبڑایا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

برآمدے میں دونوں طرف کے کمرے تاریک نظر آرہے تھے۔ جج صاحب کے کمرے سے گذر کر ندیم نے اطمینان کی سانس لی یکایک کمرے کا دروازہ کھلا اور جج صاحب سلیپنگ گون پہنے برآمد ہوئے ان کے سیدھے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی دبی ہوئی تھی۔

ندیم نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ ہینڈل تو گھوم گیا مگر دروازہ نہیں کھلا۔ صاف ظاہر تھا کہ اندر سے چٹخنی لگا دی گئی ہے۔ ندیم نے برابر کی کھڑکی آزمائی مگر دروازہ اندر سے بند ہونے کا مطلب تھا "جج صاحب" اور انہوں نے بھلا کھڑکی کیوں

کھلی چھوڑی ہوگی۔ ندیم نے سوچنے کے انداز میں سرکھجایا۔ اب صرف ایک ہی راستہ تھا اسٹڈی روم سے نکلنا گویا شیر کی کچھار سے گذرنا تھا کہ اس کے برابر ہی جج صاحب کا کمرہ تھا۔ مگر اور چارہ بھی کیا تھا۔ ساری رات برآمدے میں تو نہیں گذاری جا سکتی تھی۔ ندیم واپس پلٹا جج صاحب جلدی سے ایک ستون کی آڑ میں ہو گئے۔ ندیم اسٹڈی روم کی طرف چلا تو جج صاحب اس سے ایک قدم پیچھے تھے۔

اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور جج صاحب اس کا کان پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ کمرے کے باہر لگا ہوا بجلی کا سوئچ تقریباً کان کی اونچائی پر تھا۔ ندیم قدم بڑھا کر اندر داخل ہو گیا اور جج صاحب ہاتھ میں آئے ہوئے بجلی کے سوئچ کو گھورتے رہ گئے۔ دانت پیستے ہوئے وہ آگے بڑھے تو ندیم اسٹڈی روم کے دوسرے دروازے کا پردہ اٹھائے کنڈی کھول رہا تھا۔ قریب پہنچ کر جج صاحب نے چھڑی لہرائی، کنڈی کھل چکی تھی۔ ندیم پردہ چھوڑ کر دوسری طرف گیا تو جج صاحب کی چھڑی پردے سے الجھی ہوئی تھی۔

ندیم نے ماں کو مصلے بچھائے نماز پڑھتے دیکھا۔ اس کے قدم رک گئے۔ انھوں نے سلام پھیرا اور وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"ذرا مجھ پر پھونک دیجئے امی" وہ بولا۔

"کیوں خیریت" وہ پھونکتے ہوئے مسکرائیں۔

"میرے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور میں صاف طور سے فضا میں کسی خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں" ندیم بڑے سہمے ہوئے لہجہ میں بول رہا تھا "آپ کو کیا بتاؤں امی ابھی جب میں آپ کے پاس آ رہا تھا تو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی خوفناک طوفان سائیں سائیں کرتا میرے پیچھے چلا آ رہا ہے۔"

"کیوں صاحبزادے یہ وقت ہے گھر میں آنے کا" اس مرتبہ جج صاحب کا ہاتھ صحیح نشانہ پر پڑا تھا۔

"مر گیا امی۔ دہائی ہے" ندیم کان کے ساتھ ہی جج صاحب کی طرف کھنچا

چلا گیا۔

"ارے ارے اس کا کان تو چھوڑیئے" امی گھبرا کر بولیں۔

"ہرگز نہیں آج میں اس کے کان اکھیڑ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔" جج صاحب گرجے "تنگ آچکا ہوں ان آوارہ گردیوں سے برخوردار کسی دن گیارہ بارہ بجے سے پہلے گھر میں قدم ہی نہیں رکھتے۔ چھ سات مہینے ہو گئے ہیں۔ بی اے کا نتیجہ نکلے ذرا اپنے لاڈلے سے پوچھو کہ کتنی جگہ ملازمت کے لئے درخواستیں دی ہیں۔ کہاں کہاں انٹرویو کے لئے گئے ہیں مگر یہ فکر تو اسے ہوتی ہے جسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو صبح شام مفت کی روٹیاں توڑنے کو مل جاتی ہیں۔ انہیں کیا پرواہ کہ چار بہنوں کی شادی میں باپ دو لاکھ کا مقروض ہو چکا ہے۔"

جج صاحب نے کان چھوڑ کر چھڑی سنبھالی۔

"ہاتھ پھیلاؤ" وہ چھڑی ہلاتے ہوئے بولے۔

"مگر آپ تو کہتے تھے ابا جان کہ ہاتھ پھیلانا اچھی بات نہیں" ندیم نے کان مسلتے ہوئے جواب دیا۔

"میں کہتا ہوں ہاتھ نکالو!" جج صاحب نے غصہ کے باوجود پھیلاؤ سے نکالو پر آتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے" ندیم نے چونک کر اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا۔

"اچھا آج معاف کر دیجئے" امی نے جائے نماز تہہ کرتے ہوئے سفارش کی "کل سے جو کچھ آپ کہیں گے۔ وہ ہی کرے گا۔"

"میں آج اس گدھے کی کھال ادھیڑے بغیر نہیں مانوں گا۔"

"پھر آپ کو سلائی کے پیسے دینا پڑیں گے" ندیم نے افسردگی سے سر ہلایا "کمبخت درزی معمولی سوٹ کے پانچ سو وصول کر لیتے ہیں۔ کھال سینے کے سات آٹھ سو سے کم نہیں لیں گے۔"

"سن رہی ہو اس کی باتیں۔ ذرا بھی تو دل میں ندامت کا احساس معلوم نہیں ہوتا۔" جج صاحب نے بیگم کی طرف دیکھا۔ "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے ہیں۔ دو چار ہاتھ پڑ جائیں گے تو ابھی عقل ٹھکانے آجائے گی۔"

"کیا بدتمیزی ہے ندیم" امی بھی خفا ہوئیں "تم خاموش کیوں نہیں رہتے۔"

"کہاں تھے آتنی رات تک" جج صاحب نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

ندیم سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے۔"

"امی کہتی ہیں خاموش کیوں نہیں رہتے۔ آپ کہتے ہیں جواب کیوں نہیں دیتے" ندیم جیسے بڑی بیچارگی سے بولا "پہلے آپ دونوں فیصلہ کرلیں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔"

امی منہ پھیر کر مسکرانے لگیں۔

"سنا تم نے" جج صاحب اگر جلدی سے بیگم صاحبہ کی طرف نہ گھوم جاتے تو ندیم کے سامنے ہی ہنسی آجاتی "یہ نتیجہ ہے تمہارے لاڈ پیار کا۔ اپنی غلطی پر نہیں شرماتا۔ ماں باپ کو قائل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔"

"اپنے کمرے میں جاؤ" امی نے ڈانٹ کر کہا۔

ندیم بڑی سعادت مندی سے جانے لگا۔

"ٹھہرو" جج صاحب بولے "کل صبح نو بجے آغا صاحب کے پاس جانا ہے"

"جی بہت اچھا۔ میں آپ کو آٹھ بجے اٹھا دوں گا" ندیم نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے نہیں احمق تمہیں جانا ہے" جج صاحب چلائے۔

"انہوں نے اپنے دفتر میں تمہارے لئے کسی جگہ کا بندوبست کیا ہے۔"

"دفتر میں" ندیم چونکا "میرا مطلب ہے دفتر رہائشی مقصد کے لئے تو نہیں ہوتے شاید۔"

"بکو مت" جج صاحب غصہ سے بولے" تمہاری رہائش کا انتظام تو مجھے پاگل خانے میں کرنا پڑے گا"

"وہاں ہاؤس فل ہو چکا ہے" ندیم نے کہا" انتخابات کے پیش نظر بہت سے سیاسی لیڈروں کے عزیز و اقارب نے پیشگی بکنگ کرا لی ہے"

"اپنی بکواس کیئے جانا۔ میری مت سننا"

"فرمایئے سن رہا ہوں"

"آغا صاحب کے دفتر میں کیشئر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس پوسٹ پر تمہارا اپائنٹمنٹ کرا دیں گے" جج صاحب نے کہا "کل نو بجے صبح ضرور ان کے پاس چلے جانا"

"بہت اچھا"

"اور کل سے یہ آدھی رات کا آنا بھی نہیں ہو گا۔ نو بجے کے بعد تمہیں گھر میں ہونا چاہیئے"

"مگر نو بجے تو آپ نے آغا صاحب کے پاس جانے کے لئے کہا ہے"

"میں رات کے نو بجے کی بات کر رہا ہوں"

"آغا صاحب آج کل رات کے نو بجے دفتر کھولتے ہیں کیا" ندیم نے جیسے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"اب میں تھپڑ مار دوں گا تمہارے" جج صاحب جھلا کر بولے" آغا صاحب کا دفتر صبح نو بجے کھلتا ہے اور تمہیں رات کے نو بجے تک گھر میں آجانا چاہیئے۔ سمجھ میں آیا یا کسی اور طرح سمجھاؤں"

"بالکل سمجھ گیا ابا جان" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر اپنے کمرے میں دفع ہو جاؤ" جج صاحب نے حکم دیا۔

ندیم سر جھکائے اپنے کمرے کی طرف چلا مگر دروازے تک پہنچ کر رک گیا۔

"اب کیا ہے؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"میں سوچ رہا تھا ابا جان کہ آغا صاحب اگر صبح نو بجے سے رات کے نو بجے تک دفتر میں کام کراتے ہیں تو انہیں قاعدے سے اوور ٹائم بھی دینا چاہیئے۔" ندیم نے جواب دیا۔ جج صاحب کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ دانت پیس کر چھڑی ہلاتے ہوئے انہوں نے ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ ندیم جلدی سے بول اٹھا۔

"آغا صاحب بیشک بارہ گھنٹے کام کرا کے اوور ٹائم نہ دیں بلکہ تنخواہ کی بھی ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔"

جج صاحب نے دوسرا قدم اٹھایا۔

"اور ...... اور میں کل صبح نو بجے ضرور ان کے دفتر جاؤں گا......"

اور" ندیم دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں چھڑی پر لگی ہوئی تھیں۔

جج صاحب ایک اور قدم آگے بڑھے۔

"اور .... اور رات کو نو بجے کے بعد گھر کے اندر نہیں ...... میرا مطلب ہے باہر نہیں رہوں گا ...... اچھا ابا جان۔ امی جان سلام علیکم" وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔

"بہت شریر ہو گیا ہے۔" امی جو اب تک بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کئے بیٹھی تھیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔

"مگر اب مجھے اس کی آوارگی کا کوئی علاج کرنا ہی پڑے گا۔" جج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

"علاج کیا۔ اللہ رکھے ملازمت مل جائے تو شادی کر دیں گے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا" امی نے رائے دی۔

"نوکری ملے یا نہ ملے شادی تو جلد ہی کرنا پڑے گی۔" جج صاحب نے کہا۔

"بینک والے اپنی رقم کا تقاضا کر رہے ہیں۔"

"تو کیا کلیم بھائی اپنی بیٹی کو دو لاکھ روپیہ جہیز میں دے دیں گے۔"

"دو لاکھ نہ سہی ایک لاکھ تو دیں گے ہی۔ بینک کا قرض۔"

"اور نہ دیا انہوں نے نقد روپیہ تو پھر۔"

"کیسے نہیں دیں گے۔ میں نے سب باتیں طے کرلی ہیں" جج صاحب نے جواب دیا" تم کل جا کر آئندہ ہفتہ کی کوئی تاریخ طے کر آنا۔"

"کیا۔" بیگم صاحب حیرت سے بولیں" اتنی جلدی۔"

"بینک سے دو ریمائنڈر آچکے ہیں بیگم۔ بنگلہ نیلام ہوا تو سوسائٹی میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

" بات طے کرنے سے پہلے لڑکے سے تو پوچھ لیا ہوتا۔ اگر اس نے انکار کر دیا ؟"

"تو میں اسے گولی مار کر خودکشی کر لوں گا" جج صاحب نے غصّہ سے کہا" کیا وہ دیکھ نہیں رہا ہے کہ گھر کے کیا حالات ہیں اور پھر میں پوچھتا ہوں۔ کلیم کی لڑکی میں برائی کیا ہے۔ پڑھی لکھی نہیں ہے۔ خوبصورت نہیں ہے" ؟

"یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر آج کل کے لڑکے پہلے کی طرح والدین کے فیصلے خاموشی سے نہیں مان لیا کرتے" بیگم صاحبہ نے آہستہ لہجہ میں جواب دیا" ندیم نے ابھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ ممکن ہے ان تمام باتوں کے باوجود اسے رشتہ پسند نہ آئے۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے اس کی پسند سے واقف ہو" جج صاحب نے کچھ چونک کر کہا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی مگر ندیم نے ایک دو مرتبہ عالیہ کا ذکر کیا تھا"۔

"یہ عالیہ کون ہے۔"

"شاید اس کے ساتھ کالج میں پڑھ چکی ہے" بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

"اس کا باپ جہیز میں دو لاکھ نقد دے سکتا ہے۔"

"مجھے کیا معلوم میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کس کی ہے۔ آپ کہیں تو ندیم سے بات کروں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے،" جج صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میں جانتا ہوں کہ ایسا رشتہ آسانی سے نہیں ملتا کلیم میرا دوست ہے اور اس کے ایک ہی لڑکی ہے۔ اس لئے وہ اتنی رقم دے بھی سکتا ہے۔ پھر یہ کہ بات طے ہو چکی ہے۔ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ تم ندیم کو سمجھا دینا کہ اس کی اور ہماری بہتری اسی میں ہے کہ یہ شادی ہو جائے۔"

"میں کوشش کروں گی۔" بیگم صاحبہ نے گہری پریشانی کے ساتھ جواب دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ ندیم کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ کوئی فیصلہ اس پہ ٹھونسا جا رہا ہے تو وہ کبھی آسانی سے نہیں مانتا۔

"کالج سے نکلنے کے بعد یاروں کو صرف دو ہی چیزوں کی خواہش ہوتی ہے۔" اختر نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا "ایک اچھی سی نوکری اور ایک خوبصورت سی نوکرانی .... میرا مطلب ہے بیوی۔ تم خوش نصیب ہو بھیا کہ ایک ساتھ دونوں نعمتیں مل رہی ہیں۔ مگر تمہارا منہ پھر بھی پھولا ہوا ہے۔"

"مذاق مت کرو یار" ندیم نے بوریت سے کہا۔

"تم ملازمت کرو، شادی کرو تو ہم مذاق بھی نہ کر سکیں۔" اختر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری" کرنے والی چیزوں میں ایک ہی تو اپنے پاس رہ گئی ہے۔"

"ملازمت ابھی ملی کہاں ہے" ندیم نے بتایا "آغا صاحب نے امتحان لے لیا۔ انٹرویو لے لیا پھر کہنے لگے کہ ان کا خزانچی اگلے ماہ کی ۱۵ تاریخ کو ریٹائر ہو رہا ہے سولہ سے آکر ڈیوٹی جوائن کر لینا۔"

"بہر حال بات تو پکی ہے نا۔" اختر نے کہا "تنخواہ کتنی ملے گی؟"

"فی الحال ساڑھے تین ہزار سے اسٹارٹ دیں گے" ندیم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"سا ..... ڑھے .... تین ہزار ..." اختر نے منہ پھاڑا "کیا پیسے ؟"

"پھر وہی مذاق"

"ابے گھامڑ" اختر نے ندیم کی پیٹھ پر ایک دھپ لگائی

"مذاق میں کر رہا ہوں یا تو۔ اللہ اکبر ایک دم سے ساڑھے تین ہزار روپیہ مہینہ تنخواہ اور بیوی مفت میں۔"

"شادی زندگی بھر کا سودا ہوتی ہے"

"بھیا تو یہ سودا مجھے دلوا دے" اختر بڑے خوشامدانہ لہجے میں بولا "مجھے نوکری اور بیوی کے سوا کچھ نہیں چاہیئے۔ جہیز کے دو لاکھ میں ایمانداری سے انکل کے ہاتھ پر رکھ دوں گا وعدہ کرتا ہوں۔"

"آپ تو گدھے ہیں۔" ندیم چڑ کر بولا۔

"بیوی اور ملازمت کے لیئے یہ خطاب بھی بدل و جان قبول ہے۔"

"مجھے شادی کرنے سے انکار نہیں" ندیم نے اختر کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ابا جان کو بینک کا قرض ادا کرنے کے لیئے ایک لاکھ روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ مگر آخر یہ کیا ضروری ہے کہ اس کے لئے کلیم صاحب کی بیٹی سے ہی شادی کی جائے۔"

"بیشک کوئی ضروری نہیں کلیم صاحب سے بھی ایجاب وقبول ہو سکتا ہے۔" اختر نے سر ہلایا۔

"مجھے یقین ہے محمود علی صاحب بھی اپنی بیٹی کو دو لاکھ نقد دے سکتے ہیں" ندیم نے اپنی رو میں بولتے ہوئے کہا۔

"یہ کون بزرگ ہیں" اختر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم سنجیدہ نہیں ہوتے تو میں ابھی اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" ندیم بگڑ گیا۔

"چلو ہو گیا رنجیدہ" اختر نے جواب دیا "مگر سوال یہ ہے کہ جب تمہیں یقین ہے تو جا کر عالیہ سے بات کیوں نہیں کرتے۔ مجھے یہ سب کچھ سنا کر میری نیت کیوں خراب کر رہے ہو۔"

"اس لئے تو تمہارے پاس آیا تھا" ندیم نے بتایا۔

"کیا مطلب" اختر چونکا "میں ابھی اتنا بوڑھا تو نہیں ہوا کہ محمود علی صاحب کا شبہ ہونے لگے۔"

"ہم دونوں عالیہ کے پاس چلتے ہیں۔"

"اسے امتحان میں کیوں ڈالتے ہو یار" اختر بولا "اس نے میرا انتخاب کر لیا تو خواہ مخواہ تمہیں افسوس ہوگا۔"

"عالیہ سے میں تنہا ہی بات کروں گا۔" ندیم مسکرایا "تمہیں تو محمود صاحب سے بات کرنے کے لئے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔"

"اپنا بزرگ بنا کر۔"

"کیا کیا جائے وقت پر تو گدھے کو بھی باپ کہنا پڑتا ہے" ندیم نے فوراً جواب دیا۔

"مگر جج صاحب کو تو تم ہر وقت ابا جان کہتے رہتے ہو"

"ابے او" ندیم نے اختر کی گردن پکڑ لی" ابا جان کے بارے میں کوئی گستاخی کی تو گلا گھونٹ دوں گا۔"

"معاف کرنا دوست" اختر نے ندیم کے ہاتھ الگ کرتے ہوئے کہا "تمہیں دیکھ کر ان کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں ہوتی"

"معلوم ہوتا ہے آج سچ مچ تمہاری شامت ہی آئی ہے" ندیم نے آستینیں چڑھانا شروع کیں۔

"لاحول ولا قوۃ یار کہہ تو رہا ہوں کہ چلوں گا" اختر نے جلدی سے کہا "مگر تم بات پیچھے سنتے ہو خفا پہلے ہونے لگتے ہو۔"

"آ گئی عقل ٹھکانے پر" ندیم مسکرایا۔

"بھیا شریف آدمی ہوں اس لئے ہاتھا پائی سے بہت ڈرتا ہوں اور تم ٹھہرے کالج کے دادا"

"اچھا اب جلدی سے کپڑے پہن آؤ۔"

"آئیں۔ تو کیا اس وقت بغیر کپڑوں کے بیٹھا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے ذرا سلیقے کے کپڑے پہن لو" ندیم نے شرارت سے کہا" یوں تو محمود صاحب صبح کو شیو بنواتے ہیں مگر احتیاط اچھی چیز ہے۔"

"گویا میں نائی لگ رہا ہوں ان کپڑوں میں" اختر نے منہ بنایا۔

"بس تمہاری یہ ہی حقیقت پسندی تو مجھے پسند ہے" ندیم نے سنجیدگی سے کہا" اپنے بارے میں کتنی بے لاگ رائے رکھتے ہو۔"

"اچھا دوست" اختر کھڑا ہو گیا "میری حقیقت پسندی کا اعتراف تو تم محمود صاحب کے سامنے کرو گے۔"

"وہاں کوئی گڑبڑ کی تو اچھا نہیں ہو گا۔"

"مگر میں محمود صاحب سے کہوں گا کیا۔"

"موقع محل کے اعتبار سے جو مناسب سمجھو کہہ دینا" ندیم نے جواب دیا" ویسے مجھے تمہاری عقلمندی سے ڈر ہی لگتا ہے۔ شریف بھائی یہاں ہوتے تو میں تمہیں ہرگز نہ لے جاتا۔"

"شریف بھائی۔ تمہارا مطلب ہے تمہارے بہنوئی صاحب"

"ہاں چاروں ان لاز میں ایک وہ ہی ذرا اپنی طبیعت کے ہیں" ندیم نے بتایا "اگرچہ شہناز مجھ سے دو سال چھوٹی ہے مگر بچپن سے ہماری یہ بحث چل رہی ہے کہ یا وہ مجھے بھائی جان کہے یا میں اسے آپا۔ حالانکہ آپا کی کوئی تک نہیں ہے۔ بہر حال اسی وجہ سے چھوٹا ہونے کے باوجود اس سے بڑی بے تکلفی ہے اور اس سے بے تکلفی ہے تو اس کے شوہر سے تکلف کیسے چل سکتا تھا اس لئے ہمارے درمیان سالے بہنوئی سے زیادہ دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"وہ تو شاید آج کل دولت آباد میں ہیں۔"

"ہاں وہاں وہ کوہ نور فلم اسٹوڈیو میں منیجر ہیں" ندیم نے جواب دیا" بہت اچھے

ڈائریکٹر بھی ہیں اور میک اپ مین تو اتنے ماہر ہیں کہ اچھے اچھے میک اپ مین شاگردی کا دم بھرتے ہیں۔"

"پھر انہیں کچھ دن کے لئے کیوں نہیں بلا لیتے" اختر نے رائے دی۔

"میں تو بلا لیتا مگر یہاں تو چٹ منگنی پٹ بیاہ کا معاملہ درپیش ہے" ندیم نے کہا۔

"جب تک وہ آئیں گے اپنی برات چڑھ چکی ہوگی۔ مگر اب تم باتیں ہی بنائے جاؤ گے، یا جا کر لباس بھی تبدیل کرو گے۔"

"عالیہ اس وقت گھر پر مل جائے گی؟"

"امید تو ہے"

"محمود صاحب اس سے ملنے پر اعتراض تو نہیں کرتے"

"بڑا ماڈرن گھرانا ہے بھائی۔ اس لئے تو تمہیں ساتھ لئے جا رہا ہوں ورنہ عام طور پر تو شادی کے معاملے میں ہم لوگوں کے زبان کھولنے کو گستاخی خیال کیا جاتا ہے۔"

ندیم اور اختر عالیہ کے گھر پہونچے تو وہ کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ مگر ملازم ندیم کو پہچانتا تھا۔ اس نے ان دونوں کے لئے ڈرائنگ روم کھول دیا کہ مس صاحبہ ابھی آتی ہوں گی۔ آپ بیٹھ کر انتظار کریں۔

"یہ محمود صاحب کرتے کیا ہیں" اختر نے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت بڑی امپورٹ ایکسپورٹ کی فرم ہے ان کی" ندیم نے بتایا "نہایت ہوشیار اور جوڑ توڑ والے آدمی ہیں ہر سال کسی نہ کسی طرح لاکھوں روپے کے لائسنس حکومت سے حاصل کر لیتے ہیں"

"پھر تو کروڑوں کماتے ہوں گے"

"اس میں کیا شک ہے"

"یار ان کی کوئی اور لڑکی نہیں ہے" اختر نے پوچھا۔

"ہے کیوں نہیں"

"تو پھر کچھ اپنی بھی تکڑم لڑوا دو نا"

"بڑی خوشی سے" ندیم نے جواب دیا" بشرطیکہ چار عدد بچے اور ایک شوہر بھی جہیز میں لینے کے لئے تیار ہو جاؤ"

"دھت تیرے کی. تقدیر ہی کچھ خراب معلوم ہوتی ہے. ہمیشہ لیٹ ہو جاتا ہوں" اختر نے جواب دیا. پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا." محمود صاحب کی بیگم تو ہوں گی"

"نہیں. ان کا بھی گذشتہ سال انتقال ہو گیا"

"کوئی بات نہیں ہم ان کی دوسری شادی کرا دیں گے" اختر نے بڑی مستعدی سے کہا.

"وہ کیوں"

"ممکن ہے اللہ میاں انہیں ایک آدھ لڑکی اور دے دیں" اختر سوکھے منہ سے بولا

ندیم نے ایک قہقہہ لگایا" اور آپ اس کے جوان ہونے کے انتظار میں شادی نہیں کریں گے"

"پھر اور کیا کروں تمام اچھی لڑکیوں کی یا تو شادی ہو چکی ہے یا منگنی"

اختر نے جیسے بڑی بیچارگی سے کہا." اور جن کی نہیں ہوئی جب تک مجھے اطلاع ملے گی. انشاءاللہ ہو چکی ہوگی. اس لئے سوائے ایڈوانس بکنگ کرانے کے اور کیا چارہ باقی رہ جاتا ہے"

"گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ عالیہ ایک نوجوان کے ساتھ ہنستی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی.

"ہیلو ندیم" اس نے آگے بڑھ کر بڑی بے تکلفی سے ہاتھ ملایا" کہاں تھے تین چار دن سے. میں روز تمہارا انتظار کرتی تھی مگر تم نہ خود آئے اور نہ فون کیا"

"ہاں کچھ ایسی ہی الجھنیں درپیش تھیں کہ ارادہ کرنے کے باوجود نہ آسکا" ندیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" اختر صاحب سے تو تم واقف ہی ہو"

"بہت اچھی طرح" عالیہ نے شوخ لہجہ میں کہا "میری کئی سہیلیوں کو شکایت ہے کہ ان کے سینڈل تو ٹوٹ گئے۔ مگر اختر صاحب کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔"

"اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ لڑکیاں میرا ادبی التفات حاصل کرنے کے لئے میرے گھر کے کتنے چکر لگاتی ہوں گی۔" اختر نے جواب دیا۔

"اچھا بھئی ندیم ان سے ملو" عالیہ نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا "یہ ہیں میرے کزن شوکت اس سال ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ جا رہے ہیں۔" وہ شوکت کی طرف گھومی۔

"اور۔ یہ ندیم صاحب بی اے میں میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔"

ندیم کو اس اندازِ تعارف پر حیرت ہوئی مگر اس نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہ کیا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" شوکت نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا "عالیہ نے کئی مرتبہ آپ کا ذکر کیا تھا۔ ملنے کا اشتیاق تھا۔"

"مگر مجھے عالیہ نے کبھی آپ کے بارے میں نہیں بتایا۔" ندیم نے جواب دیا۔

"شوکت یہاں نہیں رہتے ہیں" عالیہ نے بتایا "وہ تو جب یہ انگلینڈ جانے کے لئے گذشتہ ہفتہ یہاں پہنچے تب میری ان سے ملاقات ہوئی۔"

"میں تم سے اس وقت ایک انتہائی ضروری مسئلہ پر گفتگو کرنے آیا تھا" ندیم نے عالیہ سے مخاطب ہو کر کہا اور شوکت کی طرف دیکھ کر بولا "امید ہے آپ ہماری پانچ منٹ کی غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے۔"

"جی ہاں۔ ضرور" شوکت نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا بات ہے" عالیہ نے کچھ حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا۔

"تم ذرا باہر چلو میں بتاتا ہوں۔"

عالیہ کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ندیم کے ساتھ جانے سے ہچکچا رہی

ہو۔ اس نے شوکت کی طرف دیکھا اور پھر گویا بہ مجبوری شانے اچکا کر بولی "اچھا چلو"
دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے برآمدے میں آ گئے۔
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا ندیم" عالیہ نے کچھ ناگواری سے کہا "شوکت اپنے دل میں کیا سوچے گا؟"
"اس وقت مجھے شوکت کی پرواہ ہے نہ دنیا میں کسی اور کی" ندیم نے جواب دیا۔ "میرے سامنے زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش ہے۔ میں تم سے تمہارا فیصلہ سننے آیا ہوں"
"کیا مطلب"
"میرے والدین میری شادی کر رہے ہیں"
"پھر تو مبارک ہو"
"مذاق مت کرو عالیہ۔ تم جانتی ہو کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔"
"کیوں؟"
"اس لئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ہم دونوں نے زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا ہے اور اس لئے کہ ہم دونوں آپس میں شادی کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"
عالیہ دوسری طرف منہ پھیر کر کئی لمحہ خاموش رہی۔
"تم بولتی کیوں نہیں" ندیم نے اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا۔
"میں اس سلسلے میں تین چار دن سے تمہاری آمد کی متوقع تھی" عالیہ نے آہستہ لہجہ میں جواب دیا "میں تمہیں بتانا چاہتی تھی کہ میرے ڈیڈی نے بھی میری شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
"کیا شوکت سے" ندیم نے چونک کر پوچھا۔
"ہاں" عالیہ بدستور ندیم سے نگاہیں بچاتے ہوئے بولی۔ "اور میں لاکھ آزاد خیال سہی مگر ڈیڈی کے فیصلے کی مخالفت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ مجھے چار و ناچار ان کی بات ماننا پڑے گی۔ اور تمہارے لئے بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ جہاں تمہارے والدین کہہ

رہے ہیں شادی کر لو۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو" ندیم نے بڑی حیرت سے عالیہ کو گھور کر دیکھا۔

"ہم مشرقی لڑکیاں ہمیشہ سے اپنے ماں باپ کے حکم پر سر جھکاتی چلی آئی ہیں۔" عالیہ سر جھکائے ہوئے بولی "میں اپنے اندر اس پرانی روائیت کو توڑنے کی جرأت پیدا نہیں کر سکی۔"

"اور وہ تمہارے وعدے، ساتھ نباہنے کی قسمیں، محبت کی خاطر دنیا بھر سے لڑ جانے کا عہد؟"

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ندیم نے ایک گہری سانس لی۔ "سچ بتانا عالیہ شوکت تمہاری پسند ہے یا تمہارے ڈیڈی کی؟"

"شادی طے ہو جانے کے بعد لڑکی مجبور ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی پسند کو پسند کرنا سیکھے"

"تو یہ بات ہے" ندیم نے بپھرتے ہوئے کہا "تم اب تک میرے ساتھ محبت نہیں محبت کی ریہرسل کر رہی تھیں اور محبت کا لفظ بھی غالباً میں نے غلط استعمال کیا ہے۔ تم سوسائٹی کی آوارہ تتلیاں محبت کیا جانو۔ تم میری طرف محض اس لئے ملتفت تھیں کہ اس وقت تمہارے سامنے کوئی شوکت نہیں تھا۔"

"اپنے ہوش میں رہو ندیم" عالیہ تیز لہجہ میں بولی "میں تمہاری زر خرید لونڈی نہیں ہوں کہ یہ لب و لہجہ برداشت کر لوں۔"

"تم ایک زر خرید لونڈی سے بھی ذلیل ہو۔ اس میں کم سے کم وفاداری تو ہوتی ہے" ندیم نے انتہائی غصہ سے کہا "مجھے یقین ہے کہ آج کوئی نوجوان تمہیں شوکت سے زیادہ اچھے مستقبل کا مالک نظر آئے تو تم شوکت کو بھی دھتکار دو گی۔ تمہیں زندگی کے لئے کسی ہمسفر رفیق کی نہیں ایک ایسے سوداگر کی ضرورت ہے جو تمہارے زیادہ سے زیادہ دام لگا سکے۔ تم سچ مچ لونڈی ہو جسے محبت سے نہیں دولت سے خریدا جاتا ہے۔"

"شٹ اپ۔ اینڈ گیٹ آوٹ" عالیہ آگ بگولا ہو کر چیخی "آئندہ اس کوٹھی میں قدم

رکھا تو دھکے دے کر باہر نکلوا دیئے جاؤ گے"

"میں تم پر تمہاری اس کوٹھی پر اور اس تہذیب پر جو تم جیسے نمونے پیدا کرتی ہے تھوکتا ہوں" ندیم نے انتہائی نفرت سے فرش پر ایک طرف تھوکتے ہوئے جواب دیا "اپنے نیلام کا اشتہار اخبار میں ضرور دینا۔ ممکن ہوا تو تماشا دیکھنے میں بھی آجاؤں گا"

اور یہ کہہ کر ندیم تیز قدموں سے کوٹھی کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ غصہ میں اس کے ذہن سے یہ بات بھی نکل گئی کہ اندر ڈرائنگ روم میں اختر اس کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوگا۔

ملازم نے اطلاع دی کہ ٹیکسی آگئی ہے۔ ندیم کی امی چلنے کے لئے کھڑی ہوگئیں۔

"اچھا بہن تو اب مجھے اجازت دو" انھوں نے کہا "خدا نے چاہا تو ہفتہ کے دن برات لے کر آؤں گی"

"بھابی میں تو پہلے ہی حامد بھائی سے کہہ چکا ہوں کہ رخسانہ بھی آپ ہی کی بیٹی ہے"۔ بیوی کے بجائے کلیم صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہفتہ تو ابھی دور ہے۔ آپ چاہیں تو میں ابھی اسے آپ کے ساتھ ٹیکسی میں بٹھائے دیتا ہوں"

"ہاں اور کیا اکلوتی بیٹی اب اتنی ہی تو بھاری ہو رہی ہے"۔ رخسانہ کی امی نے جیسے برا مانتے ہوئے کہا "جب بات کریں گے، سوچے سمجھے بغیر جھٹ سے کہہ دیں گے"۔

کلیم صاحب نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔ "جب تمہیں سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیا بیگم تو اب کہیں اور عقل استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے"

"آپ دیکھ رہی ہیں بھابی ان کی باتیں"۔ رخسانہ کی امی شرما گئیں۔

ندیم کی امی نے ہنستے ہوئے برقعہ اٹھایا۔ "تو میں کب تمہاری لاڈلی کو یونہی لئے جا رہی ہوں"۔ انہوں نے کہا "اللہ رکھے میرا بھی تو ایک ہی بیٹا ہے۔ جتنا دھوم دھام چاہو کر لینا کہو تو سات باجوں سے برات لے کر آؤں"

"نہیں بھابی مجھے یہ نمائش بالکل پسند نہیں ہے آپ تو بس ندیم کو دولہا بنا کر لے آیئے گا۔ ہمارے یہاں رسمیں وغیرہ بھی زیادہ نہیں ہوتیں اور نہ میں زیادہ بھیڑ بھاڑ جمع کر رہا ہوں۔ بس قریبی عزیز اور کچھ دوست ہوں گے۔"

ندیم کی امی سلام کر کے رخصت ہو گئیں تو کلیم صاحب بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگے۔

"میں نے کہا ذرا بات تو سنیے" رخسانہ کی امی نے پکارا۔

"کیا بات ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ رخسانہ اس شادی سے خوش نہیں معلوم ہوتی۔"

"کیا" کلیم صاحب چونک پڑے۔

"جب سے یہ بات چھڑی ہے اس کے تیور کچھ بدلے ہوئے ہیں" رخسانہ کی امی نے بتایا۔ "آج بھی جب بھابی صاحبہ آئیں تو انھوں نے کتنا کتنا اسے بلایا مگر وہ اپنے کمرے میں کنڈی بند کر کے ایسی بیٹھی کہ جواب تک نہیں دیا۔"

"کمال ہے۔ اور تم نے سمجھ لیا کہ اسے شادی پسند نہیں ہے۔" کلیم صاحب نے کہا "ارے بھئی لڑکیاں ان معاملات میں شرماتی ہی ہیں اور ہماری رخسانہ تو بے پردہ اور آزاد خیال ہونے کے باوجود حد سے زیادہ شرمیلی واقع ہوئی ہے۔"

"میں اسے آپ سے زیادہ جانتی ہوں" رخسانہ کی امی نے فکرمند لہجہ میں کہا۔ "شرم اور غصہ کے تاثرات بالکل الگ الگ ہوتے ہیں۔ آپ نے اتنی جلدی بات پکی کر کے اچھا نہیں کیا۔ پہلے میں اس پوچھ لیتی تو زیادہ بہتر تھا۔"

"تم تو ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہونے کی عادی ہو" کلیم صاحب نے جواب دیا "میں حامد بھائی کو پہلے ہی زبان دے چکا تھا۔ اس کے علاوہ میں نہیں سمجھتا کہ ندیم سے اچھا لڑکا تم ماں بیٹی کو اور کہاں مل جاتا!"

"تو میں کب کہتی ہوں کہ رشتہ اچھا نہیں ہے۔ خدا مبارک کرے ندیم مجھے بھی پسند ہے۔ مگر بات تو رخسانہ کی ہے۔"

"وہ تو ظاہر ہے میں اپنی یا تمہاری تو شادی طے نہیں کر رہا ہوں۔"

"آپ سے تو بات کرنا غضب ہے"، رخسانہ کی امی بگڑ گئیں۔

"بھئی ایمانداری کی بات ہے کہ تمہارے روٹھنے کا انداز آج بھی اتنا ہی پیارا ہے جتنا پچیس سال پہلے تھا"، کلیم صاحب ہنستے ہوئے بولے "ذرا میری طرف دیکھنا"۔

"اونہہ" کہہ کے رخسانہ کی امی نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"اوہو" کلیم صاحب نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا "ایسا ہی ہے تو تم اس سے بات کر دیکھنا"۔

"مگر اب فائدہ بھی کیا ہے۔ آپ تو سب کچھ طے کر بیٹھے ہیں"۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے وہ سچ مچ ہی ناراض ہو اس شادی سے" کلیم صاحب نے جواب دیا "بھئی یہ تمہارا مفروضہ ہی ہے نا جو مجھے پوری امید ہے کہ غلط نکلے گا۔ پھر بھی اگر اپنی ناسمجھی سے رخسانہ کو کوئی اعتراض ہو تو تم اس کی ماں ہو۔ نرمی اور پیار سے سمجھا دو گی تو وہ ضرور مان جائے گی"۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" رخسانہ کی امی نے گہری فکر کے ساتھ جواب دیا۔

کلیم صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ اٹھ کر بیٹی کے پاس پہونچیں۔ رخسانہ بڑے بگڑے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھی ہوئی بظاہر کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، مگر پیشانی کے بل اور کتاب کے صفحات پر بھٹکتی ہوئی خالی خالی نظریں صاف بتا رہی تھیں کہ اس کا ذہن کسی اور ہی خیال میں کھویا ہوا ہے۔

"بیٹی، بھابی تمہیں اتنا پکارتی رہیں مگر تم نے جواب تک نہیں دیا۔ کتنی بری بات ہے"، رخسانہ کی امی نے بڑے نرم لہجہ میں کہا "آخر اس سے پہلے بھی تو وہ آتی تھیں، مگر ایسا تو تم نے کبھی نہیں کیا تھا"۔

رخسانہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر بولی نہیں

"یہ بات تو تمہیں معلوم ہو گئی ہو گی" امی نے چند لمحہ اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد دوبارہ کہا "کہ تمہارے ابو حامد بھائی کے لڑکے سے تمہاری شادی کرنا چاہتے

ہیں اور......"

"اور آپ مجھ سے آج کہہ رہی ہیں" رخسانہ نے ماں کی بات کاٹتے ہوئے کہا "جیسے میں کوئی بے جان گڑیا ہوں یا اس معاملے کا میری ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ آپ مجھے کوئی اہمیت دیتے ہوئے میری رائے معلوم کرتیں تو میں آپ لوگوں کی بات مان لیتی۔ مگر آپ خود بھی سن لیں اور ابو کو بھی بتا دیں کہ مجھے یہ فیصلہ بالکل منظور نہیں ہے میں کوئی جانور نہیں ہوں کہ آپ جہاں چاہیں لاٹھی کے زور سے ہنکا دیں اور میں خاموش رہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹی" امی ششدر رہ گئیں۔ بات یہاں تک پہنچے گی۔ اس کی انہیں بھی امید نہیں تھی۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی امی" رخسانہ کھڑی ہو گئی۔ "اب آپ لوگوں کی مرضی ہے جو چاہیں کریں۔"

اور یہ کہہ کر وہ کتاب میز پر پٹختی ہوئی تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"یہ دیکھا تم نے" جج صاحب سلیپنگ گاؤن پہنے ایک ہاتھ میں کوئی کاغذ لئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ندیم کی امی ابھی باورچی خانے سے ناشتہ تیار کر کے اور ملازمہ کو میز پر لگانے کی ہدایت دیتی ہوئی فریج سے مکھن اور پھل نکالنے آئی تھیں۔

ندیم کی امی نے فریج کا دروازہ بند کرتے ہوئے پلٹ کر جج صاحب کی طرف دیکھا۔

"آپ ابھی سلیپنگ گاؤن پہنے ہی گھوم رہے ہیں" وہ بولیں "وہاں ناشتہ میز پر لگ چکا ہو گا۔ جائیے جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جائیے۔"

"منہ ہاتھ دھونے سے کیا ہو گا۔ بیگم تمہارے بیٹے نے میرے چہرے پر وہ کالک تھوپی ہے کہ ساری عمر دھونے کے باوجود نہیں چھوٹ سکتی۔"

جج صاحب نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ لہراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا اب صبح ہی صبح غصہ نہ کریں پہلے اطمینان سے ناشتہ کرلیں۔ چیخنے چلانے کے لئے پورا دن پڑا ہے" بیگم صاحبہ یہ ہی سمجھیں کہ کل رات پھر ندیم دیر سے آیا ہوگا" مجھے معلوم ہے ندیم ساڑھے بارہ بجے تک گھر نہیں آیا تھا۔"

"گھر نہیں آیا تھا" جج صاحب نے غصہ سے دہرایا" وہ گدھا شادی کے خلاف بطور احتجاج گھر سے ہی چلا گیا ہے۔"

"کیا ؟" بیگم صاحبہ چونک پڑیں" یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہارے لاڈلے بیٹے کو ماں باپ کا طے کردہ رشتہ منظور نہیں تھا" جج صاحب نے جواب دیا" رات کے دو بجے تک میں اس کے انتظار میں جاگتا رہا تھا پھر مجبوراً جاکر سو گیا۔ آج صبح اٹھتے ہی اس کے کمرے میں پہونچا تو کمرے کی حالت سے ظاہر تھا کہ وہ رات بھر واپس ہی نہیں آیا۔ میز پر پیپر ویٹ کے نیچے یہ کاغذ دبا رکھا تھا میں نے اٹھاکر پڑھا تو معلوم ہوا چونکہ شادی کے سلسلے میں ہمارا فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ کپڑوں کی الماری سے تمام جوڑے اور سوٹ کیس بھی غائب ہے۔"

"ہائے میرے مولا یہ کیا ہو گیا" بیگم صاحبہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"کچھ نہیں ہو گیا" جج صاحب تیزی سے بولے" آج کل کے نوجوانوں کے ہاتھ یہ آسان سا نسخہ آگیا ہے کہ جہاں کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی اور گھر سے نکل گئے مگر میں ان دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ وہ میری طرف سے جہنم میں جائے لیکن اس گھر میں رہتے ہوئے اسے وہ ہی کرنا پڑے گا جو ہم چاہیں گے۔"

بیگم صاحبہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ کلیم صاحب گھبرائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

"ارے کلیم تم" جج صاحب نے حیرت سے پوچھا" تمہیں کس نے بتایا"۔

"مجھے کون بتاتا بھائی صاحب" کلیم صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے" وہ صاحبزادی خط تو میرے ہی نام لکھ گئی ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ جوان ہو کر یوں میری

ناک کٹوائے گی تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیتا۔ اس بدبخت نے آپ کے سامنے ہی ذلیل و رسوا نہیں کیا۔ بلکہ سارے خاندان اور سوسائٹی میں میری عزت پر پانی پھیر دیا ہے۔"

"کیا مطلب۔ صاف صاف کیوں نہیں بتاتے، کیا بات ہے؟"

"کیا بتاؤں حامد بھائی۔ رخسانہ اس شادی کے خلاف تھی، وہ کل شام چپکے سے گھر سے نکل گئی۔ اور آج صبح مجھے اس کے کمرے سے یہ خط ملا ہے"

کلیم صاحب نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر جج صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔

سسپنس، جاسوسی، ایڈونچر اور خوفناک کہانیوں کا بہترین انتخاب
انعام یافتہ
کہانیاں
قیمت: ۴۰/- روپے
ڈاک خرچ: ۱۶/- روپے
شکیل انجم کی ان تمام کہانیوں کا بے مثال انتخاب جنہیں مختلف ڈائجسٹوں نے اول انعام کا مستحق قرار دیا ـــــ آج ہی طلب فرمائیں۔
کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

نواب گنج سے دولت آباد صرف ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر تھا اور چوبیس گھنٹوں میں کم وبیش آٹھ ٹرینیں دولت آباد جاتی تھیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ لوگ عام طور پر دن کی گاڑیوں سے سفر کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ خاص طور سے رات کو دس بجے نواب گنج سے گذرنے والی پسنجر ٹرین تو تقریباً خالی ہی رہتی تھی۔ سوائے تھرڈ کلاس کے ڈبوں کے جن کی روایت میں خالی ہونا شامل ہی نہیں تھا۔ خواہ وہ کسی ٹرین کے ہوں۔ دوسری وجہ اس پسنجر ٹرین کی عدم مقبولیت کی یہ تھی کہ اسے شاذونادر ہی صحیح وقت پر آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ ٹائم ٹیبل میں نواب گنج کے اسٹیشن پر اس کی آمد دس بج کر پانچ منٹ پر دکھائی گئی تھی۔ مگر وہ کبھی بارہ ایک بجے سے پہلے نہیں آتی تھی۔

ندیم نے اطمینان سے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور ایک ہاتھ میں سوٹ کیس لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے مونگ پھلیاں ٹونگتا ہوا پلیٹ فارم کی طرف چلا پلیٹ فارم پر پہونچا تو وہاں ایک ٹرین موجود تھی۔ ندیم کو بالکل بھی خیال نہیں آیا کہ وہ تاریخی پسنجر ٹرین ہو سکتی ہے۔ ایک گارڈ صاحب سرخ جھنڈی بغل میں دبائے اور ہری جھنڈی ہاتھ میں پکڑے ٹکٹ چیکر سے باتیں کر رہے تھے۔

"یہ ٹرین کہاں جا رہی ہے۔ بھائی صاحب" ندیم نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"دولت آباد" گارڈ صاحب نے جواب دیا۔

"جی" ندیم نے چونک کر اپنی گھڑی دیکھی پورے دس بجے تھے۔

"آپ کا مطلب ہے کہ یہ وہ پسنجر ٹرین ہے جو رات کو دولت آباد جاتی ہے"

اس نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں"

"کمال ہے۔ غالباً جب سے یہ ٹرین چلی ہے آج پہلی مرتبہ اسے نہ صرف صحیح وقت بلکہ پانچ منٹ پہلے نواب گنج کے پلیٹ فارم پر دیکھ رہا ہوں۔"

"اپنی غلط فہمی دور کیجئے جناب" گارڈ صاحب مسکرائے "یہ کل کی ٹرین ہے جو آج پورے ساڑھے تیئیس گھنٹے لیٹ آئی ہے۔ ہاہا"

"خدا کا شکر ہے" ندیم نے سوٹ کیس اٹھایا "آپ نے میری جان بچالی۔ ورنہ ریلوے کی مستعدی دیکھ کر مجھے تو شادیٔ مرگ ہونے کا اندیشہ تھا۔"

"آپ اس ٹرین سے سفر کر رہے ہیں" گارڈ صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں"

"کس کلاس میں"

"فرسٹ"

"تو پھر آپ چل کر بیٹھئے" گارڈ صاحب نے کہا "جان بچانے کے سلسلہ میں اپنا انعام لینے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

ندیم نے ٹرین کا ایک چکر لگایا پوری گاڑی میں فرسٹ کلاس کے صرف دو کمپارٹمنٹ تھے اور دونوں خالی تھے۔ ایک نسبتاً بڑا اور سولہ سیٹ کا تھا۔ جبکہ دوسرے کی گنجائش آٹھ مسافر لکھی گئی تھی۔ ندیم عموماً آخری ڈبے پسند کرتا تھا۔ آٹھ مسافروں کا کمپارٹمنٹ پیچھے تھا۔ چنانچہ وہ اسی میں سوار ہو گیا۔ سوٹ کیس سے صابن اور تولیہ نکالی۔ کیس برتھ کے نیچے رکھا اور منہ ہاتھ دھونے ٹوائلٹ میں چلا گیا۔ آئینہ میں صورت دیکھی تو شیو بھی کچھ بڑھا ہوا نظر آیا۔ دوبارہ واپس آکر سیفٹی ریزر نکالا اور پھر اندر گھس گیا۔

ابھی منہ پر صابن ہی لگایا تھا کہ ٹرین ایک جھٹکا کھا کر رینگنے لگی۔ ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے بڑے زور سے کمپارٹمنٹ کا دروازہ بند کیا ہو۔ ندیم کو پہلے تو یہ خیال

ہوا کہ شائد گارڈ صاحب ہیں اور واقعی جیسا کہا تھا انعام وصول کرنے آئے ہیں مگر پھر یہ سوچ کر تنہا ڈبے میں کوئی ہاتھ کی صفائی دکھانے والے بزرگ اس کا اکلوتا سوٹ کیس نہ صاف کر دیں۔ ہر چند کہ اس میں نقدی نہیں تھی کیونکہ ندیم مالِ عرب پیشِ عرب کے بمصداق اپنی پونجی اپنے دم کے ساتھ رکھنے کا قائل تھا۔ مگر پھر بھی سوٹ کیس میں ایک دو سوٹ اور چار پانچ جوڑے کپڑے تو تھے ہی۔

ندیم نے آہستہ سے ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر جھانکا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک لڑکی جس کی پشت ندیم کی طرف تھی اندر سے دروازے کی چٹخنی بند کر رہی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ.... کھڑکیوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ندیم نے جلدی سے ٹوائلٹ کا دروازہ بند کر لیا۔ واہ میرے مالک وہ دل میں بولا۔ تیری دنیا میں بنت حوا سے کہیں چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ ایک سے جان بچا کر آیا تو دوسری مل گئی۔ اس نے اطمینان سے شیو بنایا۔ منہ ہاتھ دھویا اور ہر چیز باد باد کہتا ہوا تولیہ کندھے پر ڈالے صابن اور سیفٹی ریزر ہاتھ میں پکڑے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر لڑکی نے جو اس وقت تک بڑے اطمینان سے برتھ پر بیٹھی ہوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ چونک کر ندیم کی طرف دیکھا اور رسالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ تھوڑی بہت حیرت ندیم کی قسمت میں بھی لکھی تھی۔ اس وقت اس نے پہلی مرتبہ اس کا چہرہ دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ تو وہ ہی سینما ہال والی لڑکی تھی۔ مگر آج اس نے بڑی شرافت سے بالوں کا کوئی جدید ڈیزائن بنانے کے بجائے دو چوٹیاں گوندھ رکھی تھیں۔

"آپ ؟" لڑکی اسے پہلے ہی پہچان چکی تھی۔

"جی۔ آپ کا مخدوم" ندیم نے جواب دیا اور لڑکی کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"آپ کو کسی نے بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں سکھایا" لڑکی تیوری پر بل ڈال کر بولی "یہ آپ میرے مخدوم کب سے ہو گئے۔"

"کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ مت دیجئے۔ مخدوم میرا نام ہے"

"اوہ" لڑکی نے کہا مگر پھر فوراً ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی "مگر یہ آپ کہاں بڑھے چلے آ رہے ہیں؟"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اس کے قدم بھی نہیں رکے تھے۔ لڑکی حیرت و پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف جھانکنے لگا تھا

"یہ ...... یہ ...... آپ کیا کر رہے ہیں" وہ ہکلائی۔

ندیم نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لڑکی کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا اچانک وہ جھکا اور دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ لڑکی کے منہ سے ایک دبی ہوئی چیخ نکل گئی۔ مگر ندیم تو جھک کر برتھ کے نیچے سے اپنا سوٹ کیس نکال رہا تھا۔ اس نے سوٹ کیس نکالا اور اسی خاموشی کے ساتھ جا کر دوسری برتھ پر بیٹھ گیا۔ لڑکی دونوں ہاتھ سینے پر رکھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ندیم دوسری سیٹ پر بیٹھا تو وہ ایک گہری سانس لے کر یوں دھم سے برتھ پر گر گئی جیسے اس کے پیروں میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہی تھی۔

"آپ نے میری جان ہی نکال لی تھی" اس نے کہا۔

"حالانکہ میں برتھ کے نیچے سے صرف اپنا سوٹ کیس نکال رہا تھا" ندیم بولا "کہیں ایسا تو نہیں کہ روایتی دیونیوں اور چڑیلوں کی طرح آپ کی جان اس سوٹ کیس میں بند ہے"

"میرا خیال تھا کہ آپ میں صرف سلیقہ کی کمی ہے مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلیقے سے ہی نہیں شرافت سے بھی محروم ہیں" لڑکی کو غصہ آ گیا۔

یہ شکایت غالباً آپ کو اس لئے ہوئی کہ میں نے سوٹ کیس کے بجائے آپ کو نہیں اٹھا لیا" ندیم نے لاپرواہی سے سوٹ کیس کھول کر اس میں تولیہ اور سیفٹی ریزر وغیرہ رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتہ ہوتا کہ آپ جیسا بدتمیز انسان یہاں موجود ہے تو اس ڈبے میں جھانکتی بھی نہیں"

"اور مجھے معلوم ہوتا کہ آپ جیسی بدصورت اور بدتہذیب لڑکی اس کمپارٹمنٹ میں نازل

ہونے والی ہے تو آج اسٹیشن کا رخ ہی نہ کرتا۔"

"میری صورت جناب کے چوکھٹے سے اچھی ہے" لڑکی منہ چڑانے کے انداز میں بولی "آپ آئینہ دیکھ کر ضرور ڈر جاتے ہوں گے۔"

"جی ہاں راتوں کو چونک بھی پڑتا ہوں" ندیم نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "بار بار خیال آتا ہے کہ اس دن سینما میں وہ سچ مچ آپ کے بال تھے یا آپ نے بالوں میں اپنے سینگ چھپا رکھے تھے۔ محلے کی مسجد کے پیش امام صاحب تو کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ مجھ پر کسی چڑیل کا سایہ ہو گیا ہے۔"

"شٹ اپ میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی۔"

"تو یہاں کون آپ کی بے سری آواز سننے کے لئے مرا جا رہا ہے" ندیم نے دونوں گالوں پر ہاتھ مارے۔ "توبہ توبہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بھینس ڈکرا رہی ہے۔"

"جناب میں اپنے کالج میں موسیقی کے مقابلے میں اوّل انعام حاصل کر چکی ہوں۔" لڑکی نے فخریہ لہجہ میں بتایا۔

"تو پھر وہ مقابلہ ضرور کسی کوّے کی زیر صدارت ہوا ہوگا۔" ندیم نے بڑے یقین سے کہا۔

"آپ خاموش نہیں رہیں گے۔"

"ہاتھ جوڑ کر درخواست کیجئے شاید رحم آ جائے۔"

تنگ آ کر لڑکی نے خود ہی اپنا منہ دوسری طرف کر لیا اور کھڑکی سے جھانکنے لگی باہر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل تھے۔ اس لئے تارے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

غالباً کسی ہم جنس کو تلاش کر رہی ہیں" ندیم نے کہا۔

"مجھے اس بات پر مجبور نہ کیجئے کہ ابھی زنجیر کھینچ کر ٹرین رکوا دوں اور گارڈ سے کہوں کہ وہ آپ کو کان سے پکڑ کر کمپارٹمنٹ سے باہر نکال دے" لڑکی نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"تو آپ باقاعدہ گارڈ کے ساتھ سفر کرتی ہیں" ندیم نے حیرت ظاہر کی " اس بدصورتی پر یہ اہتمام ہے اگر کہیں واقعی کچھ حسین ہوتیں تو شاید پوری فوج کے ساتھ نکلا کرتیں۔"

"میرا مطلب ریلوے گارڈ سے ہے۔"

"جی ہاں آپ کا مطلب ریلوے گارڈ سے ہے۔ ریلوے گارڈ کا مطلب آپ سے ہوگا۔" ندیم نے جواب دیا "بغیر مطلب اس دنیا میں کون کسی کے کام آتا ہے۔"

لڑکی تاؤ میں آکر کچھ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ ٹرین آہستہ ہونا شروع ہوئی اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کوئی اسٹیشن آرہا تھا۔

ٹرین رکتے ہی لڑکی جو دروازہ کھول کر کھڑی ہوگئی تھی۔ تیزی سے نیچے اتر گئی۔ اس کا رخ گارڈ کے ڈبے کی جانب تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ اسٹیشن کی عمارت سے تین چار کانسٹیبل برآمد ہوئے۔ ایک انسپکٹر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے انھیں کچھ ہدایات دیں اور تمام کانسٹیبل پھیل کر ٹرین کے مختلف ڈبوں میں جھانکنے لگے۔ لڑکی کے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود رک گئے۔ ایک قلی قریب سے گذرا۔

"آج اسٹیشن پر پولیس کیوں موجود ہے" لڑکی نے قلی سے پوچھا۔

"کوئی لڑکی گھر سے بھاگ آئی ہے" قلی نے جواب دیا "پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔"

قلی تو یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ لڑکی نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ایک کانسٹیبل اس طرف بھی آرہا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے ڈبے کی طرف واپس لوٹ گئی۔

ندیم نے سوٹ کیس سے ایک چادر نکال لی تھی اور اب سر سے پاؤں تک چادر تانے برتھ پر دراز تھا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اگر وہ لڑکی کسی گارڈ یا ٹکٹ چیکر کو بلا کر لائی بھی تو وہ ندیم کو سوتے دیکھ کر جگانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ سن کر اس نے چادر کا ایک کونہ اٹھا کر جھانکا۔ اسے تعجب ہوا کہ وہ اکیلی تھی

تھی اور بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں دروازہ بند کر رہی تھی۔

دروازہ بند کر کے وہ اپنی سیٹ پر آ بیٹھی۔ ندیم نے دیکھا کہ برتھ سے رسالہ اٹھاتے ہوئے لڑکی کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ وہ اس انداز سے سیٹ کے بالکل کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی جیسے موقع ملتے ہی بھاگنے کا ارادہ ہو۔ ندیم ابھی اس اچانک تبدیلی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے کمپارٹمنٹ کے دروازے پہ زور سے دستک دی اور ساتھ ہی کھڑکی کے بند شیشے سے ایک کانسٹیبل کا چہرہ جھانکتا نظر آیا۔ ندیم کے دل میں ایک لمحہ کے لئے یہ خیال پیدا ہوا کہ لڑکی نے براہ راست اس کی شکایت پولیس سے کر دی ہے مگر آواز سنتے ہی لڑکی جس طرح چونک کر اچھل پڑی تھی اس سے یہ ہی ظاہر ہوتا تھا کہ خود اس کے لئے بھی کانسٹیبل کی آمد پریشان کن ہے۔ ندیم نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ سردست سونے کا بہانہ کرتے ہوئے چادر میں منہ چھپائے پڑے رہنا ہی بہتر ہے۔

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ندیم کی طرف دیکھا اور پھر جیسے مجبوراً اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"کیا بات ہے" اس نے آواز کو حتی الامکان پرسکون بنانے کی کوشش کی۔

"معاف کیجئے گا محترمہ" فرسٹ کلاس کے مسافروں سے تحقیقات کرنے کا فرض انسپکٹر نے اپنے ذمہ لے لیا تھا" میں آپ کا ٹکٹ دیکھ سکتا ہوں"

"کیا اب ٹکٹ چیک کرنے کا کام پولیس نے سنبھال لیا ہے" لڑکی نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ عارضی طور پر۔ آپکو کوئی اعتراض ہے" انسپکٹر بڑے غور سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"بالکل نہیں۔ البتہ آدھی رات کو فرسٹ کلاس کے شریف مسافروں کو تنگ کرنا۔۔۔۔۔۔"

"میں معذرت خواہ ہوں" انسپکٹر نے بات کاٹتے ہوئے کہا مگر کچھ ایسی ہی

بات تھی، جس کے لئے مجھے آپ کو بے آرام کرنا پڑا۔"
لڑکی نے اپنے ہینڈ بیگ سے ٹکٹ نکال کر دکھایا۔
"تو آپ نواب گنج سے آرہی ہیں"، انسپکٹر نے کچھ عجیب سے لہجہ میں کہا۔
"آپ کا نام"

"رخسانہ"

"آپ تنہا سفر کر رہی ہیں"
"جی" رخسانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔
"میرا مطلب ہے۔۔۔۔" انسپکٹر کہتے کہتے رک گیا۔
ندیم نے ایک زوردار کراہ کے ساتھ کروٹ بدلی تھی۔
"بیگم" وہ بڑی بیمار آواز میں بولا "ارے بھئی رخسانہ بیگم کہاں ہو تم۔۔۔۔ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔"
"یہ آپ کے شوہر ہیں" انسپکٹر نے نسبتاً آہستہ آواز میں پوچھا۔
"ہائے۔۔۔۔ ارے یہ کون نامعقول گلا پھاڑ رہا ہے۔۔۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔ تم کس سے بات کر رہی ہو بیگم۔۔۔۔۔۔ سنا نہیں۔۔۔۔ میرے سر میں بے تحاشا درد ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔ اس سے کہو ذرا آہستہ بولے۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔ تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ۔۔۔۔۔ ہائے مرگیا۔۔۔۔ کہ ذرا سر ہی دبا دو۔"
ندیم نے چادر منہ سے ہٹا دی۔ رخسانہ چونک پڑی۔۔۔۔۔ ندیم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں۔۔۔۔ وہ تو سچ مچ کسی ایسے شخص کی آنکھوں سے مشابہہ تھیں جس کے سر میں شدید درد ہو رہا ہو۔ وہ جلدی سے اسکی طرف بڑھی۔
"آپ کی طبیعت تو واقعی خراب معلوم ہوتی ہے" اس نے گھبراتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہی تھی شرارت کر رہے ہیں۔"
"ہائے" ندیم کراہا "ٹھیک ہی کہا ہے کسی شاعر نے۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔۔

کسی کی جان گئی...... ہائے...... اور آپ کی ادا ٹھہری۔ میں یہاں سر درد سے انتقال فرما رہا ہوں...... ہائے...... اور آپ یوں بے تعلق بیٹھی ہیں...... ہائے...... بلکہ دوسروں سے ہنس بول رہی ہیں...... ہائے...... جیسے میں نے آپ سے شادی نہیں کی کہیں سے بھگا کر لایا ہوں...... ہائے"

"معاف کیجئے گا جناب" انسپکٹر نے خفت آمیز لہجہ میں کہا "میں سمجھا تھا کہ یہ خاتون تنہا سفر کر رہی ہیں"

"جی" ندیم نے آنکھیں نکال کر انسپکٹر کو گھورا "کیا مطلب ہے آپ کا...... ہائے...... اگر میری بیوی اکیلی سفر کر رہی ہوتی تو کیا آپ کا ارادہ کچھ اور تھا...... ہائے"

"آپ غلط سمجھے" انسپکٹر جلدی سے بولا "میں پولیس انسپکٹر ہوں۔ ایک لڑکی نواب گنج سے اپنے والدین کے گھر سے نقدی اور زیورات لے کر بھاگ نکلی ہے۔ ہم اسے تلاش کر رہے ہیں"

ہائے...... معلوم ہوتا ہے انسپکٹر صاحب کہ پولیس کی ملازمت میں...... ہائے...... آپ نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا...... ہائے...... ارے بھاگنے والی لڑکیوں کی صورت ایسی ہوتی ہے"

اس نے رخسانہ کی طرف دیکھا۔

"اور تم...... ہائے...... بس کھڑی مجھے تڑپتے ہی دیکھتی رہنا...... ہائے...... خدا دشمنوں کو بھی ایسی ہی بیویاں دلائے دیکھ رہے ہو انسپکٹر...... ہائے...... بیگم صاحبہ سے اتنا نہیں ہوتا...... ہائے...... کہ ذرا سر دبا دیں"

رخسانہ دل ہی دل میں تاؤ کھا رہی تھی۔ مگر صورت حال ایسی تھی کہ مجبوراً اسے غصے کے بجائے چہرے سے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہی پڑا۔ اس نے ندیم کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور بے دلی سے سر دبانے لگی۔

"اس طرح نہیں" ندیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر برتھ پر اپنے سرہانے بٹھالیا اور پھر بڑے اطمینان سے اپنا سر اس کے زانو پہ رکھ کر بولا "ہاں اب دباؤ بیگم.... ہائے....."

انسپکٹر کے ہونٹوں پر ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوا. اس نے پلٹ کر اپنے ساتھی کانسٹیبل کی طرف دیکھا.

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو واقعی بیکار ہی زحمت دی" اس نے رخسانہ کا ٹکٹ ندیم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اور کانسٹیبل کے ساتھ ڈبے سے اتر گیا.

"ذرا دروازہ بند کرتے جانا. انسپکٹر صاحب..... ہائے" ندیم نے پکارا

انسپکٹر نے دروازہ بند کر دیا.

رخسانہ ایک دم کھڑی ہو گئی. اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں "کیا حرکت تھی" اس نے تیزی سے پوچھا.

ندیم اٹھ کر بیٹھ گیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے رخسانہ کی طرف دیکھا.

"تو آپ گھر سے بھاگ کر جا رہی ہیں" وہ ایک کش لگاتے ہوئے بولا.

"میری بات کا جواب دیجئے. میں پوچھتی ہوں. آخر آپ نے کیا سمجھ کر یہ حرکت کی تھی"

"کتنے زیورات اور کتنی نقدی لے کر فرار ہوئی ہیں" ندیم نے دوسرا سوال کیا.

"بکواس بند کیجئے. میں کوئی آوارہ لڑکی نہیں ہوں" رخسانہ پیر پٹختے ہوئے بولی "میں اپنی ایک سہیلی کے پاس دولت آباد جا رہی ہوں"

"آج کل کی لڑکیاں تو کسی نہ کسی نوجوان کے ساتھ بھاگتی ہیں حیرت ہے آپ نے اکیلے فرار ہونا کیوں پسند کیا" ندیم جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا" یا ممکن ہے از راہ احتیاط وہ کسی دوسرے ڈبے میں بیٹھا ہو. یا کسی دوسری ٹرین سے پہلے ہی دولت آباد پہنچ گیا ہو"

انجن کے وسل دینے کی آواز آئی اور ٹرین جھٹکا کھا کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی.

"آپ میرے بارے میں ایسی بے بنیاد جھوٹی باتیں سوچنے کا کوئی حق نہیں ہے" رخسانہ نے چلا کر کہا۔

"حق کیوں نہیں ہے محترمہ آپ قانون کے دو ذمہ دار ارکان کے سامنے میری بیوی ہونا قبول کر چکی ہیں" ندیم شوخی سے بولا

"میں پوچھتی ہوں آخر آپ کو یہ بات کہنے کی ہمت کیسے ہوئی"

"اگر میں یہ نہ کہتا تو آپ اس وقت پولیس کی حراست میں ہوتیں"

"تو کیا اس کے لئے ...... یہ ...... یہ ...... سب کچھ بھی ضروری تھا" رخسانہ برتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہکلائی۔

"کیا سب کچھ میں سمجھا نہیں" ندیم نے دانستہ بننے کی کوشش کی۔

"یہ ہی ...... مجھے ہاتھ پکڑ کر برتھ پر بٹھا دینا ...... اور ......"

"اوہ آپ کا مطلب ہے۔ وہ سر دبانے والا ڈرامہ" ندیم نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے خود ہی کہدیا "مگر میرے سر میں واقعی درد ہو گیا تھا۔ آپ کی باتیں سن سن کے ...... لیکن ایک بات ہے۔ صورت تو خیر جیسی آپ کی ہے کیا کہا جائے۔ مگر ہاتھوں میں سچ مچ کوئی جادو ہے۔ درد بالکل غائب ہو چکا ہے۔"

"میں اگلے اسٹیشن پر ڈبے سے اتر جاؤں گی۔" رخسانہ نے کہا اور اپنی برتھ پر جا کر بیٹھ گئی۔

"میری طرف سے آپ ابھی چلتی ٹرین سے چھلانگ لگا دیں" ندیم ناک سکوڑ کر بولا "میں خود دو شریف آدمیوں کے سامنے آپ کو اپنی بیوی کہہ کر پچھتا رہا ہوں کہ اب کہیں خدانخواستہ آپ گلے ہی پڑ گئیں تو کیا ہو گا"

میری جوتی پڑتی ہے آپ کے گلے کبھی صورت دیکھی ہے آئینہ میں۔"

"کم سے کم آپ کی طرح نکٹی چپٹی نہیں ہے" ندیم نے منہ چڑھاتے ہوئے جواب دیا "کیا حماقت ہوئی ہے مجھ سے۔ اب دولت آباد تک ہر اسٹیشن پر پولیس

سے یہ ہی جھوٹ بولنا پڑے گا کہتے ہیں۔ دن رات میں ایک گھڑی ایسی بھی ہوتی ہے کہ آدمی جو منہ سے نکالتا ہے وہ ہی ہو جاتا ہے۔ میں تو یہ ہی سوچ سوچ کر پریشان ہوا جا رہا ہوں کہ اگر ایسا ہوا تو محض آپ کی وجہ سے بچوں کے ہو کھٹے نمائش میں رکھنے کے قابل ہوں گے۔"

"شٹ اپ"۔ رخسانہ شرم و غصہ سے سرخ ہوتے ہوئے چیخی۔

"یہ کیا آپ بار بار شٹ اپ شٹ اپ کر کے اپنی انگریزی کی دھونس جماتی ہیں"۔ ندیم نے تیزی سے کہا "اگر میں نے آپ کو بیوی کہہ بھی دیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں۔ آپ سچ مچ بیگمات کی طرح میری زبان پر پہرا لگا دیں"۔

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دوبارہ رسالہ اٹھا کر اسکی ورق گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کا ذہن یہ سوچ کر ضرور پریشان ہو رہا تھا کہ اگر واقعی دولت آباد تک یہ چکر چلتا رہا تو کیا ہوگا۔

ندیم نے ایک گہرا کش لے کر سگریٹ کا ٹوٹا ٹرین کے باہر پھینکا اور ایک مرتبہ پھر چادر تان کر برتھ پر لیٹ گیا۔ دس پندرہ منٹ تک کمپارٹمنٹ میں بالکل خاموشی چھائی رہی یہاں تک کہ رخسانہ کو ٹرین کی رفتار آہستہ ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ کوئی اور اسٹیشن آ رہا تھا ٹرین پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی تو رخسانہ نے دیکھا کہ یہ کوئی چھوٹا سا دیہاتی اسٹیشن ہے۔ نام کا بورڈ بہت دور لگا ہوا تھا اور پلیٹ فارم پر بجلی کے بجائے مٹی کے تیل کی لالٹینوں کی روشنی اتنی ہلکی تھی کہ وہ عمارت پر نام بھی نہ پڑھ سکی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ خواہ کچھ ہو وہ اس بدتمیز نوجوان کے ساتھ جس کا نام پتہ نہیں۔ واقعی مخدوم تھا یا کچھ اور ہرگز سفر نہیں کرے گی۔ مگر پھر بھی احتیاط کے طور پر اس نے حالات کا جائزہ لینے کے خیال سے سوٹ کیس لے کر اترنے کے بجائے اکیلا اترنا زیادہ مناسب خیال کیا ندیم بدستور چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ رخسانہ نے آہستہ سے کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔

اس نے اطمینان کی سانس لی. کوئی پولیس کانسٹیبل نظر نہیں آ رہا تھا. وہ کسی دوسرے فرسٹ کلاس ڈبے کی تلاش میں آگے چلنے لگی. ٹرین کا گارڈ ایک لالٹین ہاتھ میں پکڑے غالباً اسٹیشن ماسٹر سے کچھ باتیں کر رہا تھا. دو تین ڈبوں کے سامنے مسافر اترے کھڑے تھے. کسی ٹرین کی آمد پر جو چہل پہل ہو جاتی ہے یہ اسٹیشن اس سے بالکل خالی تھا. ایک ڈبے کے سامنے سے گذرتے ہوئے رخسانہ نے محسوس کیا کہ سامنے کھڑے دو آدمیوں نے اسے بڑے غور سے گھور کر دیکھا. کیا مصیبت ہے اس نے دل میں کہا کیا اس تھرڈ کلاس ٹرین میں کوئی اور فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ ہی نہیں ہے. کافی آگے جاکر رخسانہ کو ایک درجہ نظر آیا. اس نے اوپر چڑھ کر دیکھا. ڈبہ بالکل خالی تھا.

وہ دونوں آدمی ٹہلتے ہوئے اس کے پیچھے ہی چلے آئے تھے اور اب کمپارٹمنٹ کے سامنے کھڑے تھے بے اختیار رخسانہ نے اپنے دل میں خوف کی تھرتھری محسوس کی. وہ جلدی سے نیچے اتر آئی. اس سنسان ڈبے سے تو اس کا کمپارٹمنٹ ہی بہتر تھا. مخدوم بدتمیز اور منہ پھٹ ضرور ہے. مگر اس نے ابھی تک کوئی غیر شریفانہ حرکت نہیں کی ہے. رخسانہ نے دل میں کہا اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی واپس چل پڑی.

اس کے پیچھے قدموں کی چاپ برابر سنائی دے رہی تھی. صاف ظاہر تھا کہ وہ دونوں آدمی اب بھی رخسانہ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں. اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا. انجن نے ایک وسل دی اور رخسانہ لپک کر ڈبے میں چڑھ گئی. اس وقت ٹرین نے ایک جھٹکا کھایا اور آہستہ آہستہ آگے رینگنے لگی. اطمینان کی سانس لیتے ہوئے رخسانہ نے ندیم کی طرف دیکھا اور دروازہ بند کرنے لگی تھی کہ کسی نے بڑے زور سے دروازے کو دھکا دیا. توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں رخسانہ اپنی برتھ سے جا ٹکرائی. وہ ہی دونوں آدمی اندر داخل ہو رہے تھے.

پہلی مرتبہ رخسانہ نے بجلی کی روشنی میں ان کے خوفناک چہروں کو دیکھا

اور کانپ کر رہ گئی۔ دونوں چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آرہے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے پیلے پیلے دانت نکال کر مسکراتے ہوئے رخسانہ کی طرف دیکھا اور مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دوسرا دروازہ اندر سے بند کرنے کے بعد اب گھورتی ہوئی نظروں سے ندیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مونچھوں والا بڑی بے تکلفی سے رخسانہ کی برتھ پر بیٹھ گیا۔

"میرا نام بہادر ہے" وہ بولا "اور میرے ساتھی کا نام شیرا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

رخسانہ سیٹ پر دور تک کھسک گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور چہرہ خوف کے مارے سفید پڑتا جا رہا تھا۔ اس نے بہادر کی بات کا جواب دینے کے لئے بجائے پُرامید نگاہوں سے ندیم کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک سر سے پاؤں تک چادر تانے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے دل میں بے اختیار خواہش پیدا ہوئی کہ کاش وہ جاگ اُٹھے۔

بہادر نے اس کی نگاہوں کو ندیم کی طرف اٹھتے دیکھا۔

"یہ کون سو رہا ہے" اس نے پوچھا۔

"مم...... میرے شوہر مخدوم صاحب" رخسانہ نے بڑی ہمت سے جواب دیا۔

"بڑا نادان ہے تمہارا شوہر کہ اتنے قیمتی خزانے کو بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ کر غفلت کی نیند سو رہا ہے" بہادر نے کہا اور شیرا کی طرف دیکھ کر کچھ اشارہ کیا۔ شیرا اپنی جگہ سے کھسک کر ندیم کی سیٹ کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"تم ایسے لاپرواہ شوہر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں" بہادر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہمارے ساتھ چلو زندگی میں وہ عیش کرنے کو ملیں گے جو تم نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں"

"خاؤ ؤ ؤ" ندیم نے چادر پھینک کر جماہی لیتے ہوئے منہ پھاڑا۔

"ضرور رہے جاؤ" وہ منہ چلاتے ہوئے بولا "میں اس ماڈرن بیوی کی

نت نئی فرمائشوں سے تنگ آ چکا ہوں۔"

شیرا نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"ٹھہرو شیرا" بہادر نے ہاتھ اٹھایا "مجھے یہ نوجوان کچھ عقلمند نظر آتا ہے"۔

"اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ بھائی صاحب" ندیم نے جلدی سے کہا "مجھ سے بڑا احمق تو تم نے صرف آئینے میں ہی دیکھا ہوگا۔ سوچنے کی بات ہے اگر عقلمند ہوتا تو دو سو روپلی کا کلرک ہو کر ایک فیشن ایبل تتلی سے شادی نہ کرتا۔ پچاس روپیہ مہینہ تو کریم پوڈر سرخی نیل پالش اور سینٹ وغیرہ میں اڑ جاتا ہے بقیہ ڈیڑھ سو کپڑوں اور سینما بینی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ دو وقت کی روٹی کے لئے ہر مہینہ دو سو روپیہ قرض لینا پڑتا ہے۔ چھ ماہ میں دو ہزار کا مقروض ہو چکا ہوں آخر قرض خواہوں کے ڈر سے دولت آباد کا رخ کیا ہے۔ دیکھنا ہے قسمت وہاں کیا دکھاتی ہے"

"بہت تنگ آئے ہوئے ہو" بہادر نے مسکرا کر پوچھا۔

"تنگ ارے جان سے بیزار بیٹھا ہوں بھیا" ندیم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اگر دس ہزار مہر کی تلوار سر پر نہ لٹک رہی ہوتی تو آج ہی طلاق دے دیتا۔"

رخسانہ حیرت سے ندیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس تمام گفتگو کا مطلب کیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

"یہ بات ہے تو اپنی یہ مصیبت ہمیں دے دو" بہادر نے ایک آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"کیوں مذاق کرتے ہو یار۔ میں اتنا خوش نصیب کہاں ہو سکتا ہوں۔"

"یقین کرو۔ ہم اسے ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں سے یہ دوبارہ تمہیں پریشان کرنے نہ آ سکے گی۔"

"کہاں لے جاؤ گے۔"

"کسی زمیندار کے ہاتھ بیچ دیں گے۔ یا کوٹھے پر بٹھا دیں گے" بہادر نے بڑی صفائی سے بتایا۔

"سچ مچ" ندیم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ بہادر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اور ندیم واہ میرے مولا کا نعرہ مار کر وہیں برتھ پر سجدہ ریز ہوگیا "شکر ہے یا اللہ تیرا ہزار بار شکر ہے" وہ سر اٹھاتے ہوئے بولا "تو نے کیسے کیسے بندے اس دنیا میں پیدا کئے ہیں"

اس نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے بہادر سے ہاتھ ملایا۔

"خدا تمہیں ہر راحت سے بچائے بڑے بھیا" ندیم کی آواز بھرائی ہوئی تھی "تم نے آج وہ کام کیا ہے جو خدا کے مردود و معتوب بندے ہی کر سکتے ہیں۔"

"کیا" بہادر کچھ چونکا۔ غالباً وہ اتنا جاہل بھی نہیں تھا جتنا نظر آرہا تھا۔

"کس سے بچائے۔"

"آفت سے بڑے بھیا آفت سے" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"اور اس کے بعد کیا کہا تھا" بہادر ابھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"میں نے کہا تھا کہ تم نے وہ کام کیا ہے جو خدا کے محبوب بندے ہی کر سکتے ہیں۔"

"تو تم خوشی سے اپنی بیوی ہمارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو" شیرا نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"بڑی خوشی سے صرف پانچ ہزار کی معمولی رقم کے بدلے" ندیم نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"پانچ ہزار" بہادر نے حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا۔ "تمہارے ہوش تو ٹھکانے ہیں"

پہلے نہیں تھے مگر اب ٹھکانے آگئے ہیں۔"

"مگر یہ رقم تو بہت زیادہ ہے۔ تم یہ نہیں سوچتے کہ ہم ایک مصیبت سے تمہارا پیچھا چھڑا رہے ہیں"

"وہ تو ٹھیک ہے بڑے بھائی مگر اس عورت کی وجہ سے جو مقروض ہو گیا

ہوں اس لاکا کیا بنے گا"۔ ندیم نے جواب دیا" آخر تم بھی تو کسی بڑے زمیندار سے دس پندرہ ہزار وصول کر ہی لو گے۔"

"ارے نہیں اتنے پیسے کہاں ملتے ہیں اور وہ بھی شادی شدہ لڑکی کے" بہادر نے جواب دیا۔

"شادی شدہ تو یہ صرف نام ہی کی ہے" ندیم نے بڑی سچائی سے کہا" ذرا غور سے دیکھو۔ یہ حسن یہ جوانی۔ یہ سڈول جسم یہ نشیب و فراز، میں تو کہتا ہوں کہ کوئی دل والا نواب دیکھ لے تو پوری ریاست قربان کر دے۔"

"مگر ہم پانچ ہزار نہیں دے سکتے" شیرا نے سخت لہجہ میں کہا۔

"تم نے اپنا قرض دو ہزار روپے بتایا تھا نا" بہادر نے پوچھا۔

"ہاں"

"بس تو دو ہزار روپے لے لو۔"

"کیا کر رہے ہو بہادر۔ جو مال ہم مفت میں حاصل کر سکتے ہیں اس کے لئے اتنی بڑی رقم خرچ کرنا بیوقوفی ہے۔"

شیرا کچھ غصے سے بولا۔

"بس چپ کر شیرا" بہادر نے جواب دیا" یہ بھی کوئی اپنا ہی بھائی بند معلوم ہوتا ہے۔ دو ہزار دے کر ہم کم سے کم تین گنا کما لیں گے۔ دیکھتا نہیں کیا لاجواب موتی ہے۔"

بہادر نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی چادر کھولی اور اس میں سے دو ہزار کے نوٹ نکال کر ندیم کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ ندیم نے بڑی احتیاط سے ایک ایک نوٹ گن اور گڈی بنا کر جیب میں رکھ لیئے رخسانہ جواب تک ندیم کی اس نئی تبدیلی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی ایک دم جوش میں آکر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا" وہ ندیم کی طرف دیکھ کر انتہائی نفرت بھرے لہجہ میں بولی" کہ جس شخص کو میں اپنا سہارا سمجھ رہی ہوں وہ سب سے بڑا فریبی اور

مکّار ثابت ہوگا. اس بظاہر شریف چہرے کے پیچھے آتنی مکروہ شیطانی فطرت چھپی ہوئی ہے. میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی. تم سے تو یہ غنڈے ہی بہتر ہیں کہ جو ہیں وہ ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں. مگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ کسی تجارتی جنس کی طرح میرا سودا کر لوگے تو یہ نہیں ہوگا. میں ابھی زنجیر کھینچتی ہوں،،

وہ جوش میں خطرہ کی لٹکتی ہوئی زنجیر کی طرف بڑھی.

"وہاں کہاں جارہی ہو میری جان" شیرا نے جیب سے چاقو نکال کر رخسانہ کے سامنے کر دیا. رخسانہ سہم کر پیچھے ہٹی.

"تم ادھر آکر میرے پاس بیٹھو" بہادر نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا

"ابھی تم کہہ چکی ہو کہ تمہارے شوہر سے تو ہم لوگ ہی اچھے ہیں. یقین کرو ہم واقعی بہت اچھے ہیں. جب تک کوئی مالدار گاہک نہیں ملے گا تمہیں بڑی حفاظت اور بڑے آرام سے رکھیں گے. اگلے اسٹیشن پر تم چپ چاپ ہمارے ساتھ اتر جانا ورنہ تم نے دیکھ ہی لیا کہ میرا ساتھی بات بات پر چاقو نکال لیتا ہے. تم نے کوئی شرارت کی اور اس نے کھچ سے چاقو مارا. ہمارے تو صرف دو ہی ہزار جائیں گے مگر تم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی"

"او بھائی" ندیم نے بہادر کو مخاطب کیا "یہ اگلے اسٹیشن پر اترنے کا پروگرام تم نے کہاں سے طے کر لیا"

"تم اپنی بیوی ہمارے ہاتھ بیچ چکے ہو. اب ہماری مرضی ہے اسے جہاں چاہیں لے جائیں"

"بیوی بیچنا تو ٹھیک مگر جہاں چاہیں لے جائیں والی بات نہیں چلے گی"

"کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ بیوی تو میرے ساتھ دولت آباد ہی جائے گی. جب کوئی گاہک مل جائے آکر لے جانا"

"میں نے تم سے کہا تھا بہادر یہ معاملہ یوں طے نہیں ہوگا" شیرا نے چاقو

لہرایا" اب یہ دو ہزار کی رقم مارنے کی فکر میں ہے"۔
"ارے ارے" ندیم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ کیا کر رہے ہو شیرا یار۔ مذاق ہی مذاق میں کہیں لگ لگا گیا تو روتے پھرو گے۔"
"میں روتا پھروں گا" شیرا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"ارے لاحول ولا قوۃ۔ زبان پھسل گئی بھیا" ندیم جیسے بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "میں کہنا چاہتا تھا کہ تم دونوں روتے پھرو گے۔"
شیرا نے آگے بڑھ کر الٹے ہاتھ سے ندیم کا گریبان پکڑ لیا۔
"معاف کر دو یار غلطی ہو گئی۔ یہ چاقو وغیرہ دیکھ کر ہی میری جان نکل گئی ہے۔" ندیم نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔
"چلو میں کان پکڑ لیتا ہوں" اس نے ہاتھ بڑھا کر شیرا کے کان پکڑ لئے۔
شیرا کے منہ سے ایک گندی سی گالی نکلی۔ اس نے سر کو ایک جھٹکا دیکر اپنے دونوں کان چھڑائے اور چاقو والا ہاتھ سر سے بلند کر کے پوری طاقت سے ندیم کے پیٹ کی طرف لایا۔
"ہائے مر گیا" ندیم نے چیخ ماری اور جیسے انتہائی بوکھلاہٹ میں اس کے ہاتھ آگے کی طرف بڑھ گئے۔ شیرا کا ہاتھ نیچے آیا تو ندیم کی گرفت میں تھا۔
"بہادر بھیا دہائی ہے" ندیم کانپتی آواز میں چیخا "ارے اس اپنے یار شیرا کو سمجھا لو نا۔ یہ تو خون خرابے پر تلا ہوا ہے۔"
"بزدل" رخسانہ نے انتہائی نفرت و حقارت کے ساتھ کہا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔
شیرا بدستور ایک ہاتھ سے ندیم کا گریبان پکڑے چاقو والا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہادر بڑے اطمینان سے، جیسے اس کے سامنے کوئی پر لطف تماشا ہو رہا ہو، برتھ پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔
"اے شیرا" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا "ذرا کچھ کھلاڑیاں تو

کرنے دے شکار کو"

بہادر کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ندیم نے جو شیرا کے ہاتھ کو پکڑے پکڑے سر کے اوپر لے گیا تھا۔ ایک دم پلٹا کھایا اپنا کندھا شیرا کی بغل کے نیچے دیا اور پھر جو سیدھا گھٹنا فرش پر جھٹکا دیا ہے تو شیرا اس کے سر کے اوپر سے جیسے ہوا میں تیرتا ہوا کمپارٹمنٹ کی دیوار سے بڑے زور سے ٹکرایا۔ یہ سب کچھ پلک جھپکتے میں ہو گیا۔ اتنی تیزی سے کہ بہادر کو ٹھیک سے سمجھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ اس نے تو یہ ہی دیکھا کہ ایک لمحہ پہلے شیرا ندیم پر چاقو تانے کھڑا تھا اور دوسرے لمحہ وہ فرش پر لمبا لمبا لیٹا ہوا تھا۔ حیرت کے مارے بہادر کے ہونٹوں میں دبا ہوا سگریٹ نیچے گر پڑا۔

دھماکہ سن کر رخسانہ نے بھی پلٹ کر دیکھا اور تعجب سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے بہادر بھیا کا کہنا ٹھیک سے نہیں سنا" ندیم نے شیرا کو سہارا دے کر فرش پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے مجھے پھینکنے کے لئے کہا تھا اور قلابازی کھا گئے تم خود"

شیرا کے ہوش ابھی تک بحال نہیں ہوئے تھے۔ وہ بار بار سر جھٹک رہا تھا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا تھا ندیم نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔ اتنی دیر میں بہادر مٹھیاں کستا ہوا ندیم کی طرف لپکا۔

"ذرا ٹھہرو یار" ندیم نے ہاتھ اٹھا کر کہا" ایک چاقو بدست آدمی پر نہتے وار کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ یہ لو چاقو اور پھر حملہ کرو"

ندیم نے دستے کی طرف سے چاقو بہادر کی طرف بڑھا دیا بہادر کے اٹھے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ اس نے حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ شخص پاگل ہے یا پرلے درجہ کا بیوقوف۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے سیدھا ہاتھ چاقو لینے کے لئے آگے بڑھایا۔ ندیم کی کلائی کو ایک جھٹکا

سا لگا اور چاقو جیسے بجلی کی طرح کوندتا ہوا کمپارٹمنٹ کی چھت میں پیوست ہوگیا۔

"کمال ہے" ندیم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "یار تم کوئی جادو منتر تو نہیں پڑھ رہے تھے۔ تم نے اشارہ ہی کیا تھا۔ اور چاقو یوں میرے ہاتھ سے نکل گیا جیسے کسی عاشق کے سینے سے دل۔ یا تمہاری انٹی سے دو ہزار روپیہ"

بہادر نے سنبھلتے ہوئے تیزی سے ہاتھ چلایا۔ اس نے جاپانی طریقہ پر ہاتھ سے وار کیا تھا۔ ندیم نے اس انداز سے جیسے دو دوست بڑی مدت کے بعد آپس میں مل رہے ہوں۔ مسکراتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹ کر اس کا ہاتھ مصافحہ کی شکل میں پکڑ لیا۔

بھئی واہ دوستی اسے کہتے ہیں" وہ بہادر کا ہاتھ اوپر نیچے جھٹکتے ہوئے بولا "ابھی لڑ رہے تھے اور ابھی ہاتھ ملا رہے ہیں۔ میں نے تو پہلے ہی شیرا سے کہا تھا کہ یہ دھول دھپہ تم سراپا ناز کا شیوہ نہیں۔ اسے بیگم صاحبہ یہ تم کہاں بڑھ رہی ہو"؟

اس نے رخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک کہا۔

"لینا بھیا شیرا یہ تو خطرے کی زنجیر کھینچنے لگی ہے" ندیم نے کن انکھیوں سے شیرا کی طرف دیکھا۔

شیرا جو فرش سے اٹھ کر ندیم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چونک کر رخسانہ کی طرف گھوم گیا اور اس سے پہلے کہ رخسانہ کا ہاتھ زنجیر تک پہنچ سکتا۔ اس نے زور سے دھکا دے کر اسے برتھ پر گرا دیا۔ چاہتا تھا کہ ایک ہاتھ بھی رسید کر دے کہ ندیم چلایا۔

ہائیں کیا کرتے ہو شیرا یار۔ اب ایسا بھی کیا زنانہ پن۔ طبیعت موج میں ہے تو ذرا بہادر بھائی کے سامنے آکر تالیاں بجاؤ"۔

شیرا تاؤ کھا کر جھپٹا۔ بہادر ابھی تک ندیم سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکا تھا۔ شیرا نے قریب آکر دانت کٹکٹاتے ہوئے پوری طاقت سے گھونسا اٹھایا

ندیم نے پھرتی سے بہادر کو سامنے کر دیا۔ روکتے روکتے بھی بشیرا کا مکا بہادر کی گدی پر پڑا اور وہ وہیں گردن پکڑ کر فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کیا بالکل ہی اندھے ہوگئے ہو نہ اپنا دیکھتے ہو نہ پرایا۔ بس ہاتھ چلانے سے مطلب" ندیم نے جیسے بڑے غصہ سے بشیرا کو ڈانٹا اور جھک کر بہادر سے پوچھا "زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔"

اتنی دیر میں بشیرا لات چلا چکا تھا۔ ندیم وہیں لڑھک گیا اور بشیرا کا ڈبل سول جوتا جو ندیم کے سر کی طرف آرہا تھا۔ بہادر کے منہ پر لگا۔ بہادر ایک چیخ مار کر پیچھے کی طرف الٹ گیا اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور شاید سامنے کا ایک دانت بھی جگہ چھوڑ چکا تھا۔ اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔

ٹرین کی رفتار آہستہ ہونے لگی تھی۔ بشیرا جو اس حادثہ پر ایک دم سراسیمہ نظر آنے لگا تھا۔ پھرتی سے جھکا۔ بیہوش بہادر کو اپنے کندھے پر ڈالا لپک کر ڈبے کا دروازہ کھولا اور چھلانگ لگا کر تاریکی میں کہیں غائب ہوگیا۔

"ارے بھائیو" ندیم نے کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی "اسٹیشن تو آنے دیا ہوتا۔"

رخسانہ برتھ پر بیٹھی ہوئی پھٹی پھٹی نظروں سے ندیم کو گھور رہی تھی۔ ندیم نے جیسے بڑی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کھڑکی سے ہٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے بھی نہیں روکا۔ اب اگر ٹرین سے کودنے میں اس بیچارے کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے تو اس کا عذاب ثواب کس کی گردن پر ہوگا۔"

وہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ کش لگاتے کچھ عجیب نگاہوں سے رخسانہ کو دیکھا۔ "تو یہ تھے آپ کے حمائتی۔ ان کے ساتھ گھر سے بھاگی تھیں۔"

رخسانہ کا چہرہ جو ابھی تک خوف و گھبراہٹ سے زرد ہو رہا تھا۔ ایکدم

غصہ سے سُرخ ہو گیا۔

"میں نے آپ سے زیادہ بدتمیز و بیہودہ انسان آج تک نہیں دیکھا"، وہ بپھر کر بولی۔

"جی ہاں آپ کے خیال میں غالباً تہذیب و شرافت کا تقاضہ یہ تھا کہ میں آپ کے حمائیتیوں کے ہاتھوں چپ چاپ مار کھالیتا۔" ندیم نے کچھ تلخی سے جواب دیا "مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی شرافت کا قائل نہیں ہوں"۔

"وہ میرے حمائتی نہیں تھے"، رخسانہ نے بیچ کر کہا۔

"ساتھ تو آپ ہی لے کر آئی تھیں"۔

غالباً یہ کوئی چھوٹا سا اسٹیشن تھا یا ڈرائیور کو لائن کلیئر نہیں ملی تھی کہ ٹرین بمشکل ایک منٹ رک کر دوبارہ چل پڑی۔

"وہ میرے ساتھ نہیں میرے پیچھے لگ کر آئے تھے"۔ رخسانہ نے بتایا "میں ان سے بچنے کے لئے دروازہ بند کر رہی تھی کہ وہ زبردستی اندر گھس آئے۔ مجھے امید تھی کہ آپ خواہ کتنے ہی بدتمیز کیوں نہ ہوں مگر اتنی شرافت تو رکھتے ہوں گے کہ مجھے ان غنڈوں سے بچا سکیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھے کمزور اور بے سہارا دیکھ کر ان بدمعاشوں سے میرا سودا کرنے لگیں گے مگر آپ شائد اسی قسم شرافت کے قائل ہیں"

"ا دہو" ندیم ایک دم چونک کر بولا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ غنڈے آپ کو پکڑ کر لے جا چکے ہیں"۔

رخسانہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔ یہ بات اس کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اگر مخدوم (رخسانہ کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس کا نام واقعی مخدوم ہے۔ مگر ظاہر ہے وہ اس کے بارے میں صرف اسی نام سے سوچ سکتی تھی) واقعی اس کا سودا کرنا چاہتا تھا۔ تو وہ ان غنڈوں سے لڑ کیوں پڑا۔ اور لڑائی بھی کیسی۔ وہ دونوں اسی دھوکے میں مار کھا گئے کہ مخدوم انتہا درجہ کا بزدل ہے

"یہ لیجئے" ندیم کی آواز نے رخسانہ کو اس کے خیالات سے چونکا دیا "آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کسی صاحب دل سے واسطہ پڑا تھا" اس نے ایک ہزار کے نوٹ گن کر رخسانہ کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ کیا ہے"

"اب آپ مجھے یہ جتانے کی کوشش مت کیجئے کہ آپ کو انسانوں کے علاوہ کرنسی نوٹوں کی بھی پہچان نہیں ہے" ندیم نے کہا۔

"یہ آپ ہی کو مبارک رہیں" رخسانہ نے ترش لہجہ میں جواب دیا "میں حرام کی دولت کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتی ہوں"

"حرام کی دولت جن کے لئے ہو گی ہو گی۔ میں نے تو اسے اپنی جان پر کھیل کر اور خون پسینہ بہا کر حاصل کیا ہے"

"جی ہاں۔ اب یہ محض اتفاق ہے کہ نہ خون آپ کا تھا نہ پسینہ"

"مگر وہ جان تو میری ہی تھی جسے میں نے آپ کی خاطر داؤں پر لگا دیا تھا" ندیم نے جواب دیا "میں نے سوچا ممکن ہے۔ آپ وہ لڑکی نہ ہوں جسے پولیس تلاش کر رہی تھی۔ مگر بہر حال گھر سے بھاگی ہوئی ضرور ہیں۔ اور اس صورت میں دولت آباد پہنچ کر آپ کو روپیہ کی ضرورت ہو سکتی ہے"

"جی شکریہ" رخسانہ نے بڑے روکھے لہجہ میں کہا "آپ کو میرے بارے میں سوچنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں آپ کی بے حد ممنون ہوں گی۔ اگر آپ آئندہ مجھے مخاطب کرنے کی کوشش نہ کریں"

"لاحول ولا قوت آپ پر تو کسی کڑک مرغی کا سایہ معلوم ہوتا ہے" ندیم تیوری چڑھا کر بولا "لعنت ہے اس پر جو اب بات کرنا تو کجا آپ کی بات کا جواب بھی دے" اور یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر برتھ پر دراز ہوتے ہوئے چادر تان لی۔

ندیم کی آنکھ کھلی تو صبح کے چھ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اس نے منہ سے چادر ہٹاتے ہوئے سامنے والی برتھ کی طرف دیکھا۔ رخسانہ اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھی۔ اس کا سوٹ کیس بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ندیم گھبرا کر جلدی سے چادر پھینکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ پہلا خیال اس کے دل میں یہ ہی آیا کہ کہیں کسی درمیان کے اسٹیشن پر کوئی اور مصیبت تو نہیں آگئی تھی۔ مگر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جب اس کی نگاہ اوپری برتھ پر گئی تو اس نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی اور دوبارہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ رخسانہ اپنی سیٹ سے اوپر والی برتھ پر سوٹ کیس سر کے نیچے رکھے ہوئے سو رہی تھی۔

اگر ٹرین راستے میں زیادہ لیٹ نہیں ہوئی ہے تو سات بجے تک دولت آباد پہونچ جانا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ منزل مقصود پر پہونچنے میں ایک گھنٹے سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔ کیوں نہ ذرا منہ ہاتھ دھو کر یا ممکن ہو تو غسل کر کے حلیہ درست کر لیا جائے یہ فیصلہ کر کے ندیم اٹھ بیٹھا۔ سوٹ کیس سے ٹوتھ پیسٹ اور برش نکالا۔ تولیہ کندھے پر ڈالتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر اوپر دیکھا۔ رخسانہ کروٹ بدل رہی تھی۔ ٹرین کے جھٹکوں سے سوٹ کیس ہلتے ہلتے اور سرکتے سرکتے برتھ کے کنارے نصف سے زیادہ باہر نکلا ہوا تھا۔ رخسانہ کے سر اٹھاتے ہی اس کا گرنا لازمی تھا

ندیم زیر لب مسکراتا ہوا ٹوائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔

دانت صاف کر کے منہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ کمپارٹمنٹ میں ایک ہلکا سا دھماکہ

سنائی دیا۔ ندیم نے آہستہ سے ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر جھانکا۔ سوٹ کیس نیچے گر پڑا تھا اور رخسانہ اوپر والی برتھ سے آدھی لٹکی ہوئی۔ اترنے کے لئے پیروں سے نچلی سیٹ ٹٹول رہی تھی۔ ندیم نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ بڑے اطمینان سے دو مرتبہ صابن سے منہ دھویا۔ ہاتھ دھوئے پیر دھوئے، وہیں کھڑے رہ کر منہ ہاتھ تولیہ سے خشک کئے اور باہر نکل آیا۔ رخسانہ کی طرف دیکھے بغیر اپنے سوٹ کیس کی طرف بڑھا۔ اوپر رکھا ہوا سوٹ اٹھاتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظروں سے رخسانہ کو دیکھا وہ تولیہ ٹوتھ برش اور صابن نکالنے کے بعد اب برش پر ٹوتھ پیسٹ نکال رہی تھی۔ ندیم ایک لمحہ کے لئے رک گیا۔ ادھر رخسانہ نے ٹوائلٹ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادھر ندیم لپک کر اس سے پہلے اندر پہونچ چکا تھا۔ رخسانہ جھلا کر رہ گئی۔ پانچ منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے دروازے پر دستک دی کوئی جواب نہیں ملا۔ چند لمحہ ٹھہر کر اس نے دوبارہ دستک مگر پھر بھی خاموشی چھائی رہی۔ تیسری مرتبہ دروازے پر گھونسے برساتی ہوئی وہ چیخ پڑی۔

"آخر یہ کیا شرارت ہے۔ آپ باہر کیوں نہیں نکلتے۔"

"ذرا انتظار فرمائیے۔ محترمہ میں کپڑے تبدیل کر رہا ہوں" ندیم نے منہ پھیر کر جواب دیا اور بدستور ٹوائلٹ کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

"آپ کے کپڑے ہیں یا شیطان کا کفن کسی طرح تبدیل ہی نہیں ہو چکتے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر آپ اتنی بیتاب کیوں ہیں۔"

"مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا محترمہ۔ صورت جیسی ہے ویسی ہی رہے گی۔"

"آپ نکلتے ہیں یا میں آپ کا سوٹ کیس اٹھا کر ٹرین سے باہر پھینک دوں" رخسانہ نے دھمکی دی۔

"اگر آپ نے میرے سوٹ کیس کو ہاتھ لگایا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

ندیم گھبرا کر بولا۔

"اور اگر آپ ایک منٹ کے اندر باہر نہیں نکلے تو یقیناً یہ ہی ہو گا۔"

ندیم نے جلدی جلدی سوٹ تبدیل کیا۔ رخسانہ سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ سچ مچ سوٹ کیس اٹھا کر باہر پھینک دے۔ اتارے ہوئے کپڑے اٹھا کر وہ چلنے ہی والا تھا کہ کچھ خیال آیا۔ دروازے کی طرف دیکھا اور پھر پانی کے پائپ پر لگے ہوئے والو کو۔ اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک نمودار ہوئی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر والو بند کرتے ہوئے پوری طاقت سے کس دیا۔

"میں دس تک گنتی گن رہی ہوں" رخسانہ کی آواز آئی۔ "یقین کیجیے دس پر سوٹ کیس ٹرین کے باہر ہو گا۔ ایک ...... دو ...... تین ...... چار ......"

"آپ نے تو ناک میں دم کر دیا ہے" ندیم نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا" جائیے۔ ذرا اچھی طرح رگڑ رگڑ کر منہ دھوئیے گا۔ ممکن ہے اسی طرح کچھ رنگ نکھر آئے۔ ویسے اتفاق سے میرے پاس بلیچنگ پوڈر بھی رکھا ہوا ہے۔ کہیں تو تھوڑا سا دیدوں۔"

شکریہ وہ آپ اپنے لئے ہی رہنے دیں" رخسانہ نے تیزی سے جواب دیا اور ٹوائلٹ میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

والو پائپ پر ٹونٹی سے کچھ فاصلہ پر لگا ہوا تھا۔ ندیم نے واش بیسن میں پانی گرنے کی آواز سنی اور مسکراتا ہوا اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اتارے ہوئے کپڑے سوٹ کیس میں رکھے اور سگریٹ سلگا رہا تھا کہ ٹوائلٹ کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور رخسانہ اس حلیہ میں کہ ٹوتھ پیسٹ سے اس کا تمام منہ سنا ہوا تھا۔ جھلاتی ہوئی باہر نکلی۔

"یہ ٹوائلٹ میں پانی کیوں نہیں آ رہا ہے" اس نے ندیم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"استغفر اللہ پہلے ہی کون سی حسین و جمیل تھیں کہ اب گندگی تھوپ کر

آگئی ہیں" ندیم جیسے بڑی کراہیت سے بولا" ذرا منہ دوسری طرف کر کے بات کیجیے۔ میری طبیعت مالش کرنے لگی ہے" اور رخسانہ نے واقعی منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ہاں اب کہیے کیا کہہ رہی تھیں"۔

"ٹوائلٹ میں پانی نہیں آرہا ہے"۔

"تو میں کیا کروں" ندیم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اب میں منہ ہاتھ کس طرح دھوؤں گی"۔

"ڈرائی کلین کر لیجئے"۔

"آپ نے پائپ کا والو تو بند نہیں کر دیا ہے"۔

"جا کر دیکھ لیجیے"۔

"میں نے دیکھا تھا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا"۔

"آپ کی ذات برادری کا معلوم ہوتا ہے"۔

"آپ نے منہ دھویا تھا تو پانی آرہا تھا"۔

"بالکل آرہا تھا"۔

"پھر تو آپ کی شرارت ہے۔ سیدھی طرح چل کر اسے کھول دیجئے ورنہ۔۔۔"

"ورنہ آپ سوٹ کیس کے ساتھ مجھے بھی اٹھا کر باہر پھینک دیں گی"

ندیم نے بات کاٹتے ہوئے کہا" جائیے نہیں کھولتا"۔

"پلیز مخدوم صاحب" رخسانہ خوشامد پہ اتر آئی۔

"آپ نے سوٹ کیس پھینکنے کی دھمکی کیوں دی تھی" اب نہیں دوں گی"

"آپ تمام راستہ مجھ سے لڑتی رہی ہیں"

"اب نہیں لڑوں گی"۔

"اچھی بات ہے" ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا وہ اٹھ کر ٹوائلٹ کی طرف چلا تو رخسانہ باہر ہی کھڑی رہی۔ ندیم نے والو کھول دیا۔

"ادھر آیئے" اس نے آواز دی۔

رخسانہ منہ چھپاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"پانی تو آرہا ہے" ندیم نے ٹونٹی کھولتے ہوئے کہا۔

"آپ نے والو کھول دیا ہوگا"

"میں نے بند ہی کب کیا تھا"

"تو پھر پہلے پانی کیوں نہیں آرہا تھا"

"مجھے کیا معلوم" ندیم نے جواب دیا۔

"اچھا اب آپ باہر جایئے مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے"

"اور پانی پھر بند ہوگیا تو"

"نہیں ہوگا"

پھر سوچ لیجئے میں بار بار اٹھ کر نہیں آؤں گا۔"

"مت آیئے گا"

رخسانہ دوسری طرف منہ کر کے بات کر رہی تھی۔ ندیم نے پھرتی سے ہاتھ اٹھاکر والو بند کیا اور باہر نکل گیا۔ رخسانہ نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا پائپ میں جتنا پانی آچکا تھا اس میں کلی تو خیر اس نے کرلی مگر اب صابن ہاتھ میں لے کر جو ٹونٹی کھولتی ہے تو پانی پھر غائب۔ بہت جلبلائی۔ "آخر آپ کیوں مجھے پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" رخسانہ ایک مرتبہ پھر ندیم کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"اب کیا ہوا"

"پانی نہیں آرہا ہے"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا" ندیم بگڑنے لگا" مگر آپ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ مرد کا سہارا ابھی نہیں چاہیئے اور اس کے بغیر گذارا ابھی نہیں ہوتا۔ چلئے صاحب دولت آباد تک تو بھگتنا ہی پڑے گا۔"

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا چپ چاپ ندیم کے پیچھے ٹوائلٹ میں داخل ہوکر ایک طرف کھڑی ہوگئی

"ٹونٹی کھولیے" ندیم نے حکم چلایا جیسے ہی رخسانہ ٹونٹی کھولنے آگے بڑھی ندیم نے والو کھول دیا۔

"یہ کیا پانی نہیں ہے" ندیم نے ٹونٹی سے گرتی ہوئی دھار کی طرف اشارہ کیا، رخسانہ حیرت سے کبھی ندیم کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی ٹونٹی کی طرف۔

"چلئے منہ ہاتھ دھوییے۔ میرا منہ کیا تک رہی ہیں"

"آپ جائیے گا نہیں" رخسانہ نے جلدی سے کہا۔ ندیم مسکرانے لگا۔

"اطمینان رکھیئے اب پانی غائب نہیں ہوگا" اس نے جواب دیا اور باہر نکل آیا۔

رخسانہ منہ ہاتھ دھوکر واپس آئی اور اپنی برتھ پر بیٹھ گئی۔

"دولت آباد میں آپ کہاں جارہی ہیں" ندیم نے پوچھا۔

"اب زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے" رخسانہ نے جواب دیا۔ "میں کہیں بھی جاؤں آپ سے کیا"

"اچھا جی منہ ہاتھ دھو چکی ہونا" ندیم بولا "کوئی بات نہیں۔ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں"

"میں ایسی گفتگو کی عادی نہیں ہوں" رخسانہ نے تیوری چڑھائی۔

"آہستہ آہستہ ہو جائیں گی۔ مقاماتِ آہ وفغاں اور بھی ہیں"۔

"آپ کے لئے ہوں گے۔ مجھے رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر تو آپ سے بات کرنا ہی بیکار ہے"

"شکر ہے آخر کار آپ کی سمجھ میں ایک بات تو آئی" رخسانہ نے جواب دیا۔ اور منہ پھیر کر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔

ندیم نے دوسری کھڑکی سے دیکھا دولت آباد کی نواحی بستیوں کی ابتدا ہو چکی تھی اور پھر دس منٹ بعد ٹرین دولت آباد سٹی پہونچ گئی۔ رخسانہ پہلے

سے تیار بیٹھی تھی۔ ابھی ٹرین ٹھیک سے رکی بھی نہیں تھی کہ وہ ایک ہاتھ میں سوٹ کیس پکڑے کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی اور ٹرین کے رکتے ہی نیچے اتر گئی۔ ندیم نے پلٹ کر اسے اترتے ہوئے دیکھا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹکٹ نکالا جو انسپکٹر رخسانہ کا شوہر خیال کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں دے گیا تھا اور آپ ہی آپ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

رخسانہ تیزی سے اتر تو گئی مگر پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی پہلی نگاہ ان پولیس کانسٹیبلوں پر پڑی جو ٹرین کے قریب ہی کھڑے ہوئے اترنے والوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ ڈبے میں واپس لوٹ جائے مگر انا آڑے آ گئی۔ ہچکچاتے ہوئے اس نے چلنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اسی لمحہ ایک ٹکٹ چیکر اس کی طرف بڑھا۔

"ٹکٹ پلیز" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

رخسانہ نے سوٹ کیس پلیٹ فارم پر رکھا اور ہینڈ بیگ کھول کر ٹکٹ تلاش کرنے لگی۔ اتنی دیر میں ایک پولیس کانسٹیبل جو دس پانچ قدم کے فاصلہ پر کھڑا تھا۔ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اطمینان سے دیکھئے" ٹکٹ چیکر نے بظاہر ہمدردی سے کہا مگر رخسانہ اس کے لہجہ میں چھپا ہوا طنز صاف محسوس کر رہی تھی۔

"گھبرا کون رہا ہے" وہ بگڑ کر بولی۔

"ممکن ہے آپ نے بیگ کے بجائے سوٹ کیس میں رکھ دیا ہو"۔ ٹکٹ چیکر نے خیال ظاہر کیا۔ "آپ اکیلی سفر کر رہی تھیں؟"

"کیا بات ہے" کانسٹیبل بھی ٹہلتے ٹہلتے قریب آ گیا تھا۔

رخسانہ کو اچانک یاد آ گیا کہ اس نے انسپکٹر کو ٹکٹ دیا تھا اور اس نے مخدوم کو واپس کر دیا تھا۔ اس نے ایک نظر کانسٹیبل پر ڈالی۔ واپس جانے کے سوا

اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"اوہ" وہ جیسے ایک دم یاد کرتے ہوئے بولی "ٹکٹ تو میرے شوہر کے پاس ہے"۔

"جی۔ آپ کے شوہر" کانسٹیبل اور ٹکٹ چیکر نے ایک ساتھ کہا۔

مگر رخسانہ سوٹ کیس وہیں چھوڑ کر ڈبے کی طرف بڑھ چکی تھی۔

"مخدوم صاحب" اس نے اندر داخل ہوتے کہا۔

"وہ تو پچھلے ہی اسٹیشن پر اتر گئے" ندیم نے جواب دیا۔ "کوئی کام تھا آپ کو"

"میرا ٹکٹ ہے آپ کے پاس" رخسانہ نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا ٹکٹ میرے پاس کیوں ہو گا۔ محترمہ"

"خدا کے لئے اس وقت پریشان مت کیجئے۔ باہر ٹکٹ چیکر اور کانسٹیبل دونوں کھڑے ہیں"۔

"تو یہ بات ہے" ندیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم لہجہ بدل کر بولا "معاف کیجئے محترمہ میں آپ کو بالکل نہیں جانتا"

"پلیز مخدوم صاحب"

"یہ پلیز آپ نے کوئی اسم اعظم سمجھ رکھا ہے کیا" ندیم نے نرمی سے جواب دیا "بہر حال میں ایک مرتبہ آپ کے اس پلیز کا فریب کھا چکا ہوں۔ اب بار بار دھوکے میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوں"۔

"میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں" رخسانہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے" ندیم نے کچھ دیر پہلے کا رخسانہ کا کہا ہوا فقرہ دہرایا۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں" رخسانہ گڑگڑائی۔

"عشق کے امتحانات کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ابھی بہت سے باقی ہیں۔"

"اور مقامات آہ و فغاں"

"شاعر نے سو فیصدی سچ کہا ہے۔ بس مجھے پہلے سے پتہ نہیں تھا۔"

ٹکٹ چیکر نے ڈبے کے دروازے کے ساتھ لگی ہوئی لوہے کی بار پکڑ کر جھانکا۔

"کیوں محترمہ کیا آپ کے شوہر بھی نہیں مل رہے ہیں۔ میرا مشورہ مانیئے سوٹ کیس کھول کر دیکھ لیجئے" اس نے کہا۔

"کیا بات ہے" ندیم سیٹ سے اٹھ کر سخت لہجہ میں بولا "آپ کو یہ بھی تمیز نہیں کہ شریف خواتین سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔"

"آپ . . . . . آپ ان کے شوہر ہیں" ٹکٹ چیکر مسکلایا۔

"کہیئے تو نکاح نامہ پیش کر دوں" ندیم سوٹ کیس اٹھا کر آگے بڑھا "ہٹیے راستہ دیجئے۔"

وہ رخسانہ کی طرف گھوما۔

"آؤ رخسانہ ڈارلنگ۔"

ٹکٹ چیکر جلدی سے نیچے اتر گیا۔ اس نے کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ ندیم پہلے خود اترا اور پھر ہاتھ بڑھا کر رخسانہ کو اترنے میں مدد دی۔

"یہ لیجئے" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا اور رخسانہ کا ٹکٹ نکالا "اچھی طرح چیک کر لیجئے۔"

ٹکٹ چیکر نے ایک نظر دونوں ٹکٹوں پر ڈالی اور واپس کر دیئے۔

"اب ذرا اپنا نام بھی بتا دیجئے۔" ندیم نے جیب سے قلم اور نوٹ بک نکالتے ہوئے ٹکٹ چیکر سے کہا۔

"جی"

"میں نے آپکا نام پوچھا ہے۔"

"کیا کریں گے آپ"

"رپورٹ کروں گا آپ کی" ندیم نے تیزی سے کہا "آخر اس جملے سے آپ کا کیا مطلب تھا کہ کیوں محترمہ کیا آپ کے شوہر بھی نہیں مل رہے ہیں۔ ریلوے آپ کو ایسی اخلاق کی ٹریننگ دیتی ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں جناب۔ دراصل مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی" ٹکٹ چیکر نے جلدی سے کہا۔

" جانے دو ڈیئر بیچارے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" رخسانہ نے سفارش کی۔

"اچھا ڈارلنگ تم کہتی ہو تو معاف کیئے دیتا ہوں" ندیم نے جواب دیا سامنے سے ایک قلی گذر رہا تھا۔

"اے قلی" ندیم نے پکارا "یہ سوٹ کیس اٹھاؤ"

وہ رخسانہ کی طرف گھوما اور بڑی بے تکلفی سے اپنا بازو اس کے بازو میں ڈال دیا۔

"آؤ ڈارلنگ چلیں" اس نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

رخسانہ کا منہ بن گیا تھا۔ مگر وہ احتجاج نہیں کرسکی۔ پھر بھی کچھ دور آگے جاکر اس نے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔

"ابھی ہم اسٹیشن کی حدود سے باہر نہیں نکلے ہیں" ندیم نے کہا "کیا ارادہ ہے آواز دوں کسی کانسٹیبل کو۔"

"اچھی بات ہے۔ باہر نکل کر آپ کے مزاج پوچھوں گی" رخسانہ بڑبڑائی

"مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو ڈارلنگ" ندیم ٹھیک سے سن نہیں سکا تھا۔

"کچھ نہیں ڈیئر" رخسانہ دانت پیستے ہوئے بولی "میں کہہ رہی تھی کہ میری وجہ سے آپ کو کتنی زحمت اٹھانا پڑ رہی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو رخسانہ ڈارلنگ یہ تو میرے لئے عین راحت ہے"
ندیم نے جواب دیا اور بازو کچھ اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔

دونوں اسٹیشن کی عمارت سے باہر نکل کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھے۔ قلی نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور نے آگے بڑھ کر قلی کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لئے۔ ندیم نے دس روپے کا نوٹ نکال کر قلی کو دیا۔

قلی سلام کر کے چلا گیا۔

"کہاں چلنا ہے صاحب" ڈرائیور نے پوچھا۔ ندیم نے رخسانہ کی طرف دیکھا

"تم سامان رکھو۔ پتہ بھی بتا دیا جائے گا" رخسانہ نے جواب دیا۔

"سامان کا کرایہ علیحدہ ہو گا"

"لے لینا"

ڈرائیور نے ٹیکسی کا پچھلا حصہ کھول کر سوٹ کیس اس میں رکھ دیئے رخسانہ ٹیکسی میں بیٹھنے کے لئے آگے بڑھی۔

"یہ آپ نے کیا گرایا ہے" ندیم نے زمین پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا۔ کہاں" رخسانہ رک گئی۔

"یہ تو شاید آپ کی ٹاپس معلوم ہوتی ہے" ندیم نے جھک کر کوئی چیز اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"میری ٹاپس" رخسانہ نے جلدی سے کان ٹٹولے۔

"جی ہاں ٹاپس ہی ہے" ندیم کے ہاتھ میں ایک کلپ والی ٹاپس چمک رہی تھی۔

"غضب ہو گیا" رخسانہ گھبرا کر بولی" دونوں کان خالی ہیں۔ ذرا دیکھئے دوسری بھی یہیں گری ہو گی۔"

"دوسری تو یہاں نظر نہیں آتی" ندیم نے غور سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اوہ میرے خدا۔ ہیرے کی ٹاپس ہیں۔ اب کیا ہوگا" رخسانہ بری طرح نروس معلوم ہو رہی تھی۔

"گھبرائیے نہیں میں دیکھتا ہوں۔ ابھی کی بات ہے۔ ممکن ہے مل جائے۔" ندیم نے تسلی دی۔

"پلیز مخدوم صاحب ذرا جلدی جائیے۔ کمپارٹمنٹ سے اترنے چڑھنے میں کہیں وہیں نہ گر گئی ہو" رخسانہ نے التجا آمیز لہجہ میں کہا۔

ندیم زمین کی طرف دیکھتا ہوا۔ اسٹیشن کی عمارت کی طرف چلا۔

"ڈبے میں بھی ایک نظر ڈال لیجئے گا۔" رخسانہ نے پکارا ندیم نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔

جیسے ہی وہ اسٹیشن کی بلڈنگ میں اندر جا کر نظروں سے غائب ہوا۔ رخسانہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار ہنسی رقص کر رہی تھی۔

"چلو ڈرائیور۔ گلشن کالونی" اس نے ڈرائیور سے کہا جو پہلے ہی اپنی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

"صاحب کہاں چلے گئے۔"

"جہنم میں"

"کب تک واپس آئیں گے۔" ڈرائیور نے پوچھا "میرا مطلب ہے اگر زیادہ دیر انتظار کرنا پڑا تو ویٹنگ چارجز علیحدہ ہوں گے۔"

"وہ اب نہیں آئیں گے۔" رخسانہ نے جواب دیا۔ "تم ٹیکسی کیوں نہیں اسٹارٹ کرتے۔"

ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے چابی گھمائی اور دوسرے لمحہ ٹیکسی اسٹیشن کی حدود سے نکل کر مین روڈ پر گھوم چکی تھی۔

ندیم نے کوہ نور اسٹوڈیو کے سامنے ٹیکسی رکوائی۔ اتر کر کرایہ ادا کیا۔ اور گیٹ کی طرف چلا۔ وسیع و عریض آہنی گیٹ بند تھا مگر اس کے پہلو میں ایک چھوٹا سا دروازہ آمدورفت کے کھلا ہوا تھا۔ ندیم اندر داخل ہوگیا۔

"او بھائی" پیچھے سے چوکیدار نے آواز دی "کہاں منہ اٹھائے چلے جارہے ہو؟"

ندیم رک گیا۔ چوکیدار لپک کر اس کے قریب آیا۔

"کیا یہاں منہ اٹھا کر چلنا منع ہے" ندیم نے پوچھا۔

"جی ہاں منع ہے" چوکیدار نے جواب دیا "آج کل بارہ بنکی کے گدھے کی شوٹنگ ہورہی ہے۔ ڈائریکٹر صاحب نے بول دیا ہے کہ کسی کو اندر مت آنے دو۔"

"چاہے وہ منہ جھکا کر آئے یا اٹھا کر۔"

"اٹھانے جھکانے کی بات نہیں ہے صاحب ہمیں کسی کو چھوڑنے کا آرڈر ہی نہیں ہے۔"

"تم نے کیا بتایا تھا کس کی شوٹنگ ہورہی ہے؟"

"بارہ بنکی کے گدھے کی۔"

"کب سے ہورہی ہے"

"کوئی ایک ہفتہ ہوگیا صاحب۔"

"کمال ہے اور اب تک کوئی اسے شوٹ نہیں کرسکا۔" ندیم نے حیرت ظاہر کی "معلوم ہوتا یہاں کسی کا نشانہ اچھا نہیں ہے۔"

چوکیدار کے چہرہ پر ہنسی نمودار ہوئی۔

"تم سمجھا نہیں صاحب" وہ بولا "بندوق کی نہیں فلم کی شوٹنگ ہورہی ہے فلم کی۔ سینما والی فلم۔"

"اوہ" ندیم نے یوں سر ہلایا جیسے کوئی بہت اہم بات سمجھ میں آگئی ہو۔

"ہیروئن کون ہے"
"یتیم آرا"

"اور گدھے کا پارٹ کون کر رہا ہے" ندیم باتیں کرتے ہوئے آگے چلنے لگا۔
"اپنے ہیرو جمال کے سوا کون کر سکتا ہے" چوکیدار نے جواب دیا" مگر صاحب یہ تم ادھر کہاں جا رہے ہو۔ گیٹ اس طرف ہے"
"مجھے مینیجر صاحب سے ملنا ہے۔ بھائی بہت ضروری کام ہے" ندیم نے بتایا" میں ان کا سالا ہوں"
چوکیدار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"پھر تو صاحب آپ جلدی سے گیٹ کے باہر چلے جائیں" چوکیدار ندیم کا بازو پکڑتے ہوئے بولا" مینیجر صاحب نے دیکھ لیا تو میری نوکری جاتی رہے گی"
"وہ کیوں"
مینیجر صاحب آج صبح خود آکر حکم دے گئے ہیں کہ خبردار جو کسی سالے کو اندر آنے دیا نہیں تو اس کے ساتھ تمہیں بھی نکال باہر کردوں گا"
"کیا بات ہے چوکیدار" شریف پتہ نہیں کیسے اس طرف آگیا تھا۔
"مر گئے، بھاگیئے صاحب" چوکیدار نے گھبرا کر کہا۔
"اسلام علیکم مینیجر صاحب" ندیم شریف کی طرف گھوم گیا۔
"میرا کوئی قصور نہیں ہے مینیجر صاحب" چوکیدار نے جلدی سے کہا" یہ صاحب ...."
"ٹھیک ہے تم جاؤ" شریف نے چوکیدار کو جانے کا اشارہ کیا۔
"یہ میں مینیجر صاحب کب سے ہوگیا" اس نے آگے بڑھ کر ندیم کا کان پکڑ لیا۔
"جب سے اسٹوڈیو کے چوکیدار کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سالوں کو خاص طور سے اندر نہ آنے دیا جائے"

"ارے وہ" شریف کچھ جھینپ کر بولا "تم تو جانتے ہو اسٹوڈیو میں رہ کر اچھے بھلے آدمی کو گالیوں کی عادت پڑ جاتی ہے"

"نہیں نہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔ یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہے"

"اچھا خیر اسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ نہ کوئی خط نہ تار یہ ایک دم کیسے ٹپک پڑے۔ گھر پر تو سب خیریت ہے"

"گھر کے حالات گھر چل کر اطمینان سے عرض کروں گا۔ آپ کی چھٹی کس وقت ہوتی ہے"

"یہاں نہ کوئی کام کا وقت مقرر ہے نہ چھٹی کا" شریف نے جواب دیا۔ "اب یہ ہی دیکھ لو کہ یہ کوئی دفتر کا وقت ہے جو میں یہاں جھک مار رہا ہوں مگر چونکہ ایک بڑی پارٹی کی شوٹنگ ہو رہی ہے اس لئے کم سے کم اس کے شوٹنگ ٹائم پر مجھے اسٹوڈیو میں ضرور موجود ہونا چاہیئے۔ آؤ چلو آفس میں چل کر بیٹھیں"

شریف ندیم کو ساتھ لے کر اپنے دفتر میں آیا۔

"بیٹھو" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا "دو تین دن پہلے امی کا خط آیا تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ آئندہ ہفتہ تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ مگر تم یہاں موجود ہو"

"میں شادی سے ہی تو بھاگ کر آیا ہوں" ندیم نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا" شریف نے سر ہلایا "میرے ایک دوست بھی شادی کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ ایک دن ملنے آئے تو ان کے ساتھ کوئی محترمہ بھی تھیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ تمہاری بھابھی ہیں۔ میں نے کہا ارے بھائی یہ کیسے ممکن ہوا تم تو شادی سے بچنے کے لئے گھر سے بھاگ نکلے تھے۔ جواب میں کہنے لگے بھیا۔ یہ ہی تو میری حماقت تھی۔ میں اپنے نزدیک شادی سے بھاگا تھا۔ مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ شادی کی طرف ہی بھاگ رہا ہوں۔ گھر سے نکلا تو راستے میں ایک چچا جان مل

گئے۔ حال سن کر فرمایا۔ تو تم یہ ہی چاہتے ہو ناکہ تمہارے والدین کہیں تمہاری شادی نہ کر دیں۔ سو اس سے بچنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ تم میری بیٹی سے نکاح کر لو اللہ اللہ خیر سلا۔ نہ کنوارے رہو گے نہ شادی کا جھگڑا اٹھے گا۔ میں فوراً آمادہ ہو گیا۔ وہ تو نکاح کے بعد رخصت ہوتے وقت جب چچا جان نے ایک بھاری گٹھری میرے سر پہ رکھی۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ مگر پھر کیا ہو سکتا تھا چنانچہ اب اپنے کئے پر پچھتا تا ہوں اور ہر ایک کو نصیحت کرتا ہوں کہ بھیا شادی سے انکار مت کرو۔ کرو گے تو تمہارے آگے آئے گا۔"

"اپنے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا،" ندیم نے ہنستے ہوئے بتایا۔" ایک صاحبزادی تنہا میرے ڈبے میں سفر کر رہی تھیں۔ انہیں گرفتاری سے بچانے کے لئے مجھے عارضی طور پر ان کا شوہر بننا پڑا۔ مگر اس ہمدردی کا انعام انہوں نے یہ دیا کہ جاتے ہوئے میرا سوٹ کیس بھی لے گئیں۔"

اور یہ کہہ کر ندیم نے شریف کو ٹرین کے سفر کی پوری تفصیل بتا دی۔

"میں ٹالیس کی ناکام تلاش کے بعد باہر آیا تو ٹیکسی غائب۔ سمجھ گیا کہ چوٹ ہو گئی۔ مگر گرے ہوئے دودھ پر پچھتانا اپنی عادت نہیں۔ چنانچہ پہلے تو سوٹ کیس کھونے کے غم میں خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ اس کے بعد آپ کی تلاش میں یہاں چلا آیا۔"

"گویا ابھی گھر نہیں گئے ہو۔" شریف نے پوچھا۔

"نہیں۔ بتایا تو کہ سیدھا اسٹیشن سے چلا آ رہا ہوں۔"

"اور شہناز کو تمہاری آمد کی بالکل اطلاع نہیں ہے۔"

"کیسے ہو سکتی ہے۔"

بس تو پھر سمجھ لو کہ آج میں نے سو روپیہ کی شرط جیت لی،" شریف نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ تمہاری ہمشیرہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں میک اپ وغیرہ کچھ نہیں جانتا۔ بس اپنے منہ میاں مٹھو بنا کرتا ہوں اور یہ کہ اگر میں کبھی اپنے فن سے انہیں فریب دے سکوں تو وہ سو روپیہ انعام دیں گی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ میرے سوا جس کسی کو بھی وہ اچھی طرح جانتی ہیں اسے خواہ کسی میک اپ میں سامنے لاؤں فوراً پہچان لیں گی۔"

"آپ کے سوا کیوں۔ اس میں کیا مصلحت ہے" ندیم نے پوچھا۔

شہناز کا خیال ہے کہ شوہروں کو کسی میک اپ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اس کے بغیر بھی بیویوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔"

"تو آپ مجھے میری ہی بہن کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں" ندیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"صرف شرط جیتنے کی حد تک"

"مگر میں صرف ایک شرط پر آپ کا آلہ کار بن سکتا ہوں۔"

"وہ کیا"

"شرط کے سو روپے میری ملکیت ہوں گے" ندیم نے جواب دیا۔ شریف نے ایک گہری سانس لی۔

"مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ میں کس بہن کے بھائی سے معاملہ کر رہا ہوں" وہ بولا۔

"تو پھر کیا کہتے ہیں۔"

"وہ ہی جو تمہاری بہن سے کہا تھا۔ قبول ہے بھائی"

"مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"سردست کچھ دیر تک انتظار" شریف نے کھڑے ہوتے ہوئے جواب دیا" پھر جب میک اپ روم خالی ہو جائے تو تھوڑا سا میک اپ۔"

"میں آپ کو بہت زحمت دے رہی ہوں" رخسانہ نے شرمندہ لہجہ میں کہا "سچ مانیئے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ رضیہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے تو میں ابھی آنے کا ارادہ ہی نہیں کرتی اور وہ بھی ایسی لاپرواہ ہے کہ ایک مہینے سے کوئی خط ہی نہیں لکھا۔ اسٹیشن سے اتر کر اس کے گھر پہونچی تو دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا۔ آپ کا پتہ معلوم نہ ہوتا تو بڑی پریشانی اٹھا پڑتی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو" شہناز نے جواب دیا "آخر ہم سب ایک ساتھ کالج میں پڑھ چکی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ رضیہ کے ساتھ تمہارے تعلقات کچھ زیادہ رہے ہیں اور میں سائنس گروپ میں ہونے کی وجہ سے تم لوگوں کی محفلوں میں زیادہ شریک نہیں ہو سکی۔ مگر رضیہ میری بہترین سہیلی ہے۔ تم بلاتکلف جب تک چاہو قیام کر سکتی ہو۔ میرا پتہ بھی شاید اسی نے تمہیں لکھا ہوگا۔"

"جی ہاں"

"مگر یہ اچانک کیسے آنا ہو گیا۔ میرا خیال ہے تم نے رضیہ کو بھی اپنے پروگرام کی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ جانے سے پہلے مجھ سے ملنے آئی تھی۔ باتوں باتوں میں تمہارا ذکر بھی آیا تھا۔ مگر اس نے مجھے بالکل نہیں بتایا کہ تم یہاں آنے والی ہو"

"ہاں کچھ ایسے ہی ایک دم سے پروگرام بن گیا" رخسانہ نے جواب دیا۔ "میرا ذکر کس سلسلہ میں آیا تھا"

"بس یونہی" شہناز کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ٹالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ "تمہارے والد صاحب کا نام کلیم احمد صاحب ہے نا"

"جی ہاں" رخسانہ نے کچھ حیرت سے جواب دیا۔

"اور وہ گورنمنٹ کنٹریکٹر بھی ہیں"

"جی ہاں۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں"

"بھئی تم نے اب تک غیریت برتی اور کبھی میرے گھر تک نہیں آئیں

تو اب جبکہ ہمارے درمیان نئے سرے سے بہناپا قائم ہو رہا ہے ہمیں ایک دوسرے کے حالات سے تو واقف ہونا ہی چاہیئے بس اسی خیال سے پوچھ لیا تھا" شہناز نے مسکرا کر جواب دیا۔ مگر اس مرتبہ پھر اس کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ضرور کوئی بات چھپا رہی ہے۔ رخسانہ کو تجسس تو ہوا مگر اس نے کچھ زیادہ زور دینا مناسب نہیں سمجھا۔

اسی وقت ملازمہ رخسانہ کے دونوں سوٹ کیس اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹیکسی سے سامان اتروا کر بیرونی کمرے میں رکھ دیا گیا تھا۔ اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ رخسانہ قیام کے ارادے سے آئی ہے۔ شہناز اسے مہمانوں کے لئے مخصوص دو کمروں میں سے ایک میں لے آئی تھی۔ چنانچہ اب تک اسے سوٹ کیس کو توجہ سے دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اب جو ملازمہ انہیں اٹھا کر لائی تو وہ ایک سوٹ کیس دیکھ کر چونک سی گئی۔

"کیا بستر بھی سوٹ کیس میں بند کر کے لائی ہو" اس نے پوچھا۔

"یہ بات آپ نے غالباً دو سوٹ کیس دیکھ کر پوچھی ہے" رخسانہ مسکرائی "مگر ان میں سے ایک سوٹ کیس میرا نہیں ہے"

"اچھا ؛ تو پھر کس کا ہے"

"ایک صاحب میرے ڈبے میں سفر کر رہے تھے" رخسانہ نے بتایا "آپ تو جانتی ہیں کہ آج کل کے نوجوانوں نے جہاں کسی لڑکی کو اکیلے دیکھا اور ان کی رال ٹپکی۔ ان حضرت نے بھی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔ ایک حد تک تو میں اخلاقاً ان کی باتیں برداشت کرتی رہی۔ مگر جب وہ حد سے آگے بڑھنے لگے تو مجھے سزا میں یہ سوٹ کیس ضبط کرنا پڑا"

"کون صاحب تھے"

"تھے کوئی مخدوم صاحب" رخسانہ نے بتایا۔

"مخدوم صاحب"

"جی ہاں مجھے تو انہوں نے یہ ہی نام بتایا تھا ویسے ہو سکتا ہے جھوٹ بولا ہو۔"

"اور اگر انہوں نے پولیس میں سوٹ کیس کی چوری کی رپورٹ کردی تب"

"جی" رخسانہ چونک پڑی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا پولیس تک بات پہونچی تو غضب ہو جائے گا۔ "واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی" اس نے پریشانی سے کہا "اب کیا کیا جائے۔"

"تم نے اسے کھول کر دیکھا" شہناز نے جواب دیا "ممکن ہے کوئی چیز ایسی مل جائے جس سے تمہارے مخدوم صاحب کا پتہ چل سکے اور یہ سوٹ کیس انہیں واپس کیا جاسکے"

"ابھی تک تو نہیں دیکھا ہے۔ اب دیکھے لیتی ہوں" رخسانہ اٹھنے لگی۔

"رہنے دو" شہناز نے کہا "اسے میں لے جاتی ہوں۔ کوئی پتہ وغیرہ اندر نکل آیا تو خیر ورنہ شریف صاحب کو دے دوں گی۔ وہ خود ہی کوئی ترکیب سوچ لیں گے۔"

شہناز اٹھ کھڑی ہوئی "باتھ روم کمرے کے ساتھ ہے۔ تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کرلو۔ میں ناشتہ بھیجتی ہوں۔"

"ناشتہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ رضیہ کے پڑوس میں جو لوگ رہتے ہیں انہوں نے زبردستی چائے پلادی تھی"

"بس تو پھر آرام کرو" شہناز نے جواب دیا۔ اور گھڑی دیکھتے ہوئے بولی "ابھی گیارہ بجے ہیں۔ دوپہر کا کھانا ہمارے یہاں ایک بجے تک کھایا جاتا ہے۔ دو گھنٹے ہیں۔ ایک نیند تو لے ہی لو گی۔"

شہناز کو سوٹ کیس دیکھتے ہی شبہ ہوا تھا کہ وہ ندیم کا ہے دوسرے کمرے میں لے جا کر کھولا تو یقین ہوگیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ ندیم بھی دولت آباد

آیا ہے تو وہ اب تک گھر کیوں نہیں پہونچا سوٹ کیس تو نہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ چار پانچ دن قبل شہناز کے پاس امی کا خط آیا تھا اور اس میں انہوں نے تفصیل سے لکھا تھا کہ انھوں نے کلیم احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی کے لیے پیام دیا تھا۔ جو منظور کر لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ شادی بھی جلد ہی ہو جائے گی۔ تاریخ طے ہوتے ہی اسے اطلاع دیں گی اور یہ کہ وہ دو چار دن پہلے آنے کی کوشش کرے

شہناز نے اپنی سہیلی رضیہ سے ذکر کیا تو اس نے بتایا کہ اگر یہ کلیم احمد صاحب گورنمنٹ کنٹریکٹر ہیں تو ان کی بیٹی رخسانہ اس کی سہیلی ہے اور یہ کہ شہناز کو بھی اس سے واقف ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بھی اسی کالج میں پڑھتی تھی شہناز رخسانہ کو واجبی طور پر جانتی تھی۔ اس نے رضیہ سے اس کے عادات و اطوار کے بارے میں معلوم کیا تو رضیہ نے بتایا کہ ویسے تو سب ٹھیک ہے مگر ذرا مزاج کی تیز ہے۔

شہناز کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آ رہی تھی کہ اگر اگلے ہفتہ ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے تو پھر یہ یہاں کیسے آئے ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ اتفاق بھی کتنا عجیب تھا کہ دونوں نے نہ صرف ایک ہی دن اور ایک ہی ٹرین میں سفر کیا۔ بلکہ ایک ہی کمپارٹمنٹ میں دولت آباد ساتھ آئے۔ مگر رخسانہ تو سوٹ کیس والے کا نام مخدوم بتا رہی تھی۔ ممکن ہے یہ ندیم کی کوئی شرارت ہو۔

گھر کے کام میں مصروف رہنے کے باوجود شہناز کا ذہن ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ شریف کچھ گھبرایا ہوا سا گھر میں داخل ہوا۔

"ارے بھئی شہناز" اس نے آتے ہی کہا "ذرا جلدی سے پانچ چھ انڈوں کا حلوہ آلو کے چپس اور بہترین سی چائے تو بنا ڈالو اور ہاں فریج میں مچھلی موجود ہو تو دو چار قتلے اس کے بھی تل لینا۔"

"معلوم ہوتا ہے آج آپ پھر کچھ مفت خور دوستوں کو ساتھ لے آئے ہیں" شہناز نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"شش" شریف نے گھبرا کر ہونٹوں پر انگلی رکھی۔"خدا کے لئے آہستہ بولو بابا نے سن لیا تو جلال میں آکر پتہ نہیں کیا بددعا دے دیں"

"بابا" شہناز نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں بہت بڑے عامل اور پہونچے ہوئے فقیر ہیں" شریف نے رازدارانہ لہجہ میں بتایا" ہمارے اسٹوڈیو میں آج ایک نئی فلم کی رسم افتتاح میں تشریف لائے تھے"

"فلم کی رسم افتتاح میں تشریف لائے تھے۔ تو میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ کتنے پہونچے ہوئے ہوں گے" شہناز نے کچھ طنزیہ لہجہ میں جواب دیا۔

"بالکل اندازہ نہیں لگا سکتیں" شریف نے کہا" تم جو سوچ رہی ہو وہ بات نہیں ہے۔ یہ واقعی بڑے خدارسیدہ بزرگ ہیں۔ تم دیکھو گی تو ایمان لے آؤ گی۔ چہرے پر وہ نور ہے کہ نظر جما کر بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میں انہیں کمرے میں بٹھاتا ہوں۔ تم ذرا جلدی سے چائے لے آؤ۔ شاباش"

شریف لپکتا ہوا باہر گیا۔ اور پھر جو واپس لوٹا ہے تو شہناز دیکھتی ہی رہ گئی۔ سر سے پاؤں تک سفید براق کپڑوں میں ملبوس ایک بزرگ جن کی داڑھی مونچھیں بھویں پلکیں تک سفید تھیں ایک ہاتھ میں لمبی تسبیح لٹکائے دوسرے ہاتھ میں بید کے موٹے سے عصا کا سہارا لئے شریف کے ساتھ اندر داخل ہوئے ہر چند کوئی اگربتی وغیرہ نہیں سلگ رہی تھی مگر ان کے اندر آتے ہی شہناز نے محسوس کیا جیسے سارا گھر ایک دم بہترین قسم کی اگربتی کی خوشبو سے مہک اٹھا ہو۔ سفید بالوں کے باوجود بابا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور پتہ نہیں یہ چمک ان کے چہرے کی تھی یا کسی اور چیز کی کہ غور سے دیکھنے کی کوشش سے شہناز کی آنکھیں خود بخود جھپک گئیں۔ شریف تو جیسے ان کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

"اس طرف آیئے بابا" وہ ہاتھ جوڑ کر سر جھکائے بولا

بابا ایک شان بے نیازی سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور سامنے ہی میز پر ایک سوٹ کیس دیکھ کر چونک پڑے۔

"یا حق" انہوں نے نعرہ لگایا "تیری قدرت کے کھیل نیارے ہیں۔ کہاں کے مسافر تو نے کہاں اتارے ہیں۔ یا حق۔"

"زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرنا سالے صاحب،" شریف نے بابا کے کان میں سرگوشی کی "ورنہ شہناز فوراً سمجھ جائے گی۔"

"یا حق" بابا نے پھر نعرہ لگایا "بے فکر رہو بیٹا یہ دنیا کھول بھلیوں کا جال ہے۔ یہاں سب کچھ آسان ہے مگر انسان کو پہچاننا محال ہے۔"

بابا نے اپنے کندھے پر پڑی ہوئی چادر فرش پر بچھائی اور اس پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ گویا عالم استغراق میں چلے گئے شریف بڑے ادب آمیز انداز میں ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد شہناز چائے کی ٹرے لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو بابا نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔

"یہ میری شریک حیات شہناز ہیں بابا" شریف نے گویا تعارف کرایا۔ اور شہناز سے کہا "بابا کو سلام کرو۔"

"سلام بابا" شہناز نے چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی آباد و شاد رہو۔"

"ہماری شادی کو سال بھر سے زیادہ ہو گیا ہے بابا" شریف جیسے بڑی افسردگی سے بولا۔

"اور اگلے برس دو سال سے زیادہ ہو جائیں گے" بابا نے فلسفیانہ لہجہ میں کہا "برسوں کا شمار نہ کیا کرو بیٹا یہ تو گذرتے ہی جاتے ہیں۔"

"میرا مطلب ہے بابا کہ ابھی تک ہمارا گھر سنسان ہے۔ دعا کیجئے کہ ان کی گود ہری ہو جائے" شریف نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ شہناز شرما گئی۔

"استغفر اللہ" بابا نے ایک جھرجھری سی لی "انسان بھی فقیروں سے

کیسی کیسی ادنیٰ خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔

"کیا ہوا بابا" شریف نے گھبرا کر پوچھا "کیا مجھ سے کوئی بھول ہو گئی"۔

"بھول" بابا نے سخت لہجہ میں جواب دیا "ارے نادان تو خود بازار سے دو روپیہ کا ڈسٹمپر لا کر اپنی بیوی کی گود ہری کیوں نہیں کر لیتا۔ ہم نے دعا مانگی اور اس کی گود مستقل طور پر ہری ہو گئی تو کل جب کسی اور رنگ کی گود کا فیشن چلا تو پھر تو کیا کرے گا۔"

شہناز نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔

"حق ہے بابا حق ہے۔ یہ نکتے کی باتیں عام لوگ کہاں سمجھ سکتے ہیں مگر میں آپ کا اشارہ پا گیا ہوں بابا۔ ایسا ہی کروں گا۔"

شریف نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی۔

"مگر تیری بیوی تیری طرح سمجھ دار نہیں ہے بیٹا" بابا نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "اس کے دل میں فقیر کی طرف سے بدگمانی کی پرچھائیاں رینگنے لگی ہیں۔ مگر ہم اس کے من کی بات بھی جانتے ہیں۔"

"تو پھر بتائیے بابا کہ میرے دل میں کیا ہے" شہناز بولی۔

"بیٹی تو فقیر کی آزمائش کر رہی ہے" بابا نے سر ہلایا "اچھا تو سن ہم تیرے گھر میں کسی مسافر کے قدموں کی آواز سن رہے ہیں۔"

"شہناز نے حیرت سے بابا کو دیکھا۔ "تو وہ مسافر آچکا ہے یا آنے والا ہے"

"کچھ آچکا ہے اور کچھ آنے والا ہے" بابا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا بابا یہ بتائیے کہ وہ کوئی عزیز ہے یا دوست" شریف نے سوال کیا

"وہ اپنا بھی ہے اور پرایا بھی" بابا نے جواب دیا۔

"ایک ہی شخص اپنا اور پرایا کیسے ہو سکتا ہے" شہناز نے پوچھا۔

"ہم ایک کی نہیں دو کی بات کر رہے ہیں" بابا کچھ جلال میں آ گئے "ان میں

سے ایک وہ ہے جس کے نام کے ساتھ تو اور تیرے گھر والے بہاروں کا نکھار اور پھولوں کی خوشبو کا تصور کر رہے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ابھی بہاروں کا موسم نہیں آیا کلیوں کے پھول بننے میں بہت دیر ہے۔" بابا ایک دم کھڑے ہو گئے۔

"کہاں چل دیئے بابا" شریف بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا "چائے نہیں پئیں گے۔"

"بیٹا تو نے چائے فقیر کے لئے نہیں بنوائی تھی۔ ہماری خاطر تو اصیل کی آڑ میں خود انڈوں کا حلوہ کھانا چاہتا تھا" بابا نے شانِ بے نیازی سے کہا "جا کھا لے۔ فقیر اس گھر میں ناپس گند سونگھ رہا ہے۔"

بابا تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔ شہناز اور شریف نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا اور جلدی سے بابا کے پیچھے لپکے۔ بابا ایک ایک کمرہ جھانکتے پھر رہے تھے۔

رخسانہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ بابا دندناتے ہوئے اندر گھس گئے۔

"ہاں۔ یہ ہے وہ آسیب جس کا سایہ ہمیں اس گھر کے در و دیوار سے جھانکتا نظر آ رہا تھا" بابا نے جوش کے ساتھ کہا رخسانہ چونک کر جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ وہ بڑی حیرت سے بابا کو دیکھ رہی تھی۔ کمرے کے دروازے پر شہناز اور شریف کھڑے ہوئے تھے۔

"لڑکی ہم تیرے سر پر تمام منحوس ستاروں کو لوگسٹ ڈانس کرتے دیکھ رہے ہیں" بابا نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا "تو نے اس شریف نوجوان کو دھوکا دیا۔ مگر وہ نوجوان کے بھیس میں خدا کا فرشتہ تھا جو تیری مدد کے لئے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ تو نے کفرانِ نعمت کیا ہے۔ تیرا غرور تیری انانیت ہمیں سخت ناپسند ہے تجھے بہت جلد اپنے کئے کی سزا ملنے والی ہے۔ ایسی سزا جسے تو تمام زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتی۔"

شہناز جو اب تک بابا سے کافی متاثر ہو چکی تھی۔ جلدی سے آگے بڑھی۔

"یہ میری سہیلی ہے بابا" اس نے کہا "کوئی ترکیب ایسی نہیں ہو سکتی کہ اگر یہ بھول کر غلطی کر بیٹھی ہے تو اس کا کفارا ادا ہو جائے؟"

"اس کا کفارا یہ ہی ہے کہ یہ اپنے غرور کو انکساری سے اور انانیت کو فرمانبرداری سے تبدیل کر لے۔ اس نوجوان کو تلاش کرے اور اس سے اپنے ناروا طرزِ عمل کی معافی مانگے" بابا نے جواب دیا پھر ایک دم شہناز کی طرف پلٹ کر کہا "بیٹی اب فقیر کو اپنے کمرے میں لے چل۔ فقیر کے جانے اور کسی کے آنے کی گھڑی قریب آ گئی ہے۔ چل جلدی کر"

"آئیے بابا" شہناز نے اپنے کمرے کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ بابا نے ایک قہر آلود نظر رخسانہ پر ڈالی اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

شہناز کے کمرے میں پہونچ کر بابا بڑے اطمینان سے اس کے بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

"تیرا شوہر بڑا فنکار ہے بیٹی" بابا نے شریف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر ہم نے سنا ہے کہ تو اس کے فن کا اعتراف نہیں کرتی"

"میں کچھ سمجھی نہیں بابا" شہناز نے تعجب سے کہا

"ابھی سمجھ جائے گی۔ ذرا اس الماری سے اپنا کیش بکس کھول کر سو کا ایک پتہ نکال لا"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا بابا کہ میرا کیش بکس اس الماری میں رکھا ہے" شہناز نے حیرت سے پوچھا۔

"فقیروں سے کوئی بھید چھپا نہیں ہوتا۔ لا جلدی کر ہمیں دیر ہو رہی ہے"

شہناز نے الماری کھول کر بکس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بابا کو دے دیا۔ بابا نے نوٹ لے کر جیب میں رکھا اور شریف کی طرف دیکھ کر بولے۔

"بچہ تو اپنی شرط جیت گیا ہے۔ اب فقیر کو جانے کی اجازت دے۔ اس گرمی کے موسم میں سوٹ کے اوپر چالیس گز کا تھان لپیٹ کر ہم پسینہ

میں شرابور ہو چکے ہیں۔ داڑھی کے بال علیحدہ انجکشن کی سوئیوں کے مانند جلد میں گھسے جا رہے ہیں۔"

"اگر آپ کو گرمی لگ رہی ہے تو کپڑے اتار دیں" شریف نے کہا۔

"ارے مورکھ کپڑے تو ہم اتار لیں گے مگر پہلے ہماری داڑھی تو اتار"۔

شریف نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ شہناز نے چونک کر پہلے شریف کی طرف اور پھر بابا کی جانب دیکھا۔

"کہئے بیگم صاحبہ اب کیا خیال ہے" شریف جھک کر سلام کرتے ہوئے بولا اور آگے بڑھ کر بابا کا کان پکڑ کر کھینچ لیا۔ ایک جھلی سی چہرے سے اتری چلی آئی۔ بھویں اور داڑھی بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔

"ندیم" شہناز کے منہ سے بے اختیار نکلا "تو یہ مجھے بیوقوف بنایا جا رہا تھا"

"ہم بھلا قدرت کے کاموں میں کیسے دخل دے سکتے ہیں" شریف نے جواب دیا "ہم تو محض تصدیق کر رہے تھے"

"یہ کوئی کمال نہیں ہے کہ کسی کو بے خبری میں فریب دیا جائے"۔

"خواہ کچھ بھی کہو شرط تو تم ہار چکی ہو"

"جی نہیں یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔ سو روپیہ آپ کو واپس کرنا پڑیں گے"۔

"روپیہ میرے پاس نہیں تمہارے بھیا کے پاس ہیں"

"ندیم کی کان گوشی تو ذرا دھوم دھام سے کروں گی۔ خواہ مخواہ اس بیچاری رخسانہ کو بھی ڈرا دیا"۔

"ندیم نہیں مخدوم" ندیم نے ہنستے ہوئے کہا "اسے یہ نہ بتائیے گا کہ میرا نام ندیم ہے۔ مگر واقعی یہ تو کچھ عجیب اتفاق ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ سوٹ کیس پر تو فاتحہ ہی پڑھنا پڑے گی۔ یہاں آکر دیکھا تو شریف بھائی کے کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ مگر رخسانہ یہاں آئی کیسے"؟

"میرے ساتھ کالج میں پڑھ چکی ہے" شہناز نے بتایا۔

"مجھ سے تو بس یونہی رسمی سلام دعا تھی۔ مگر رضیہ کی بہت گہری سہیلی ہے اس کے پاس آئی تھی۔ مگر رضیہ اپنے والدین کے ساتھ گرمیاں گذارنے پہاڑ پر گئی ہے چنانچہ یہ یہاں چلی آئی۔ تمہاری بہت شکایت کر رہی تھی۔"

"جی ہاں اب تو وہ جو چاہیں کہہ سکتی ہیں" ندیم نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "لیکن میں نہ ہوتا تو آپ کی سہیلی اس وقت کسی کوٹھے پر بیٹھی ہوئی ٹھمری گا رہی ہوتیں۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو۔ اگلے ہفتہ تو تمہاری شادی ہونے والی ہے۔"

"ہے نہیں تھی۔" شریف بولا "یہ حضرت شادی سے بھاگ کر آئے ہیں۔"

"کیوں کیا لڑکی پسند نہیں تھی۔"

"اس بیوفا مخلوق پر سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ شہناز بہن!" ندیم نے نسبتاً سنجیدگی سے جواب دیا "آپ عالیہ کو تو جانتی ہوں گی۔ میں اسے پسند کرتا تھا۔ اس نے بھی وعدہ کیا تھا کہ میرے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ مگر جب میں اس سے دو ٹوک فیصلہ کرنے پہونچا تو دیکھا کہ وہ کسی اور منزل کی طرف چل پڑی ہے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ عالیہ جیسی لڑکیاں ہر نئے دن کے ساتھ اپنی پسند بدل لینے کی عادی ہوتی ہیں۔ سچ کہتی ہوں ندیم اگر کہیں اس سے تمہاری شادی ہو جاتی تو تمام زندگی پچھتاتے رہتے۔ میں کالج میں اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ چکی ہوں کئی لڑکوں سے اس کی دوستی تھی۔ مگر چالاک اتنی تھی کہ ایک کو دوسرے کا پتہ نہیں چلنے دیتی تھی۔ اگر تم ہر لڑکی کو عالیہ پر قیاس کروگے تو سخت غلطی کروگے۔"

"ممکن ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔ مگر عالیہ کے تجربے کے بعد سر دست میں اس مسئلہ پر غور کرنا نہیں چاہتا۔"

"رخسانہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔" شہناز نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے وہ مغرور نک چڑھی لڑکی لڑلڑ کے میرا ناک میں دم کر دے گی" ندیم نے گھبرا کر جواب دیا۔

"میں یہ ہی سوچ کر حیران ہوں کہ اُس کے والدین نے تنہا اتنی دور سفر کی اجازت کیسے دے دی" شریف سوچتے ہوئے بولا "کہیں وہ بھی کسی بات پر گھر چھوڑ کر تو نہیں چلی آئی ہے؟"

"چھوڑیئے بھی شریف بھائی ہم کیوں کسی کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوں" ندیم نے جیسے بڑی بوریت سے کہا "یوں وہ گھر سے بھاگی ہوئی ضرور ہے؟" اس نے شہناز کی طرف دیکھا۔ "ایک دو دن کے بعد چلتا کیجئے گا اسے ورنہ بلا وجہ ہم لوگ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

"بھئی وہ میری سہیلی ہے۔ میں اپنے منہ سے تو جانے کے لئے نہیں کہوں گی۔" شہناز نے جواب دیا "اپنے آپ چلی جائے تو دوسری بات ہے۔"

"تو پھر کھانے کا خرچ اور کمرے کا کرایہ لیجئے گا۔ اس سے ہمارے شریف بھائی کا پیسہ مفت کا نہیں ہے جو ایروں غیروں کو کھلا دیا جائے۔ کیوں شریف بھائی؟" ندیم نے شریف کو اکسانے کی کوشش کی۔

"بھئی یہ شہناز جانیں ہمیں دو وقت کی روٹی ملتی رہے۔ پھر ہماری بلا سے کہ یہ گھر میں خیرات خانہ کھول لیں یا کچھ اور۔"

"اور یہ آپ نے رخسانہ کو ٹھہرایا کہاں ہے" ندیم نے شہناز سے کہا "آپ جانتی ہیں کہ میں جب آتا ہوں اس برابر والے کمرے میں قیام کرتا ہوں۔"

"بڑی مصیبت ہے" ندیم نے جواب دیا "اچھا تو پھر کمرہ کھلوا دیجئے میں ذرا نہا دھو کر آدمیت کے جامے میں آنا چاہتا ہوں۔ شریف بھائی نے پتہ نہیں چہرہ پر کیا الا بلا لگا دی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سچ مچ خدا رسیدہ ہوتے ہوتے بال بال بچا ہوں۔"

"تم چل کر اپنا سوٹ کیس اٹھاؤ" شہناز نے کہا "میں بھی آرہی ہوں۔"

ندیم کمرے سے چلا گیا تو شہناز نے جھک کر سرگوشی میں شریف سے کہا "میرا تو خیال ہے جیسے یہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنے سے بچنے

کے لئے ہی گھر سے بھاگے تھے۔ مگر تقدیر انہیں ملانے پر تلی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب" شریف نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا کہ ابّا جان ندیم کی شادی کلیم احمد صاحب کی لڑکی سے کر رہے ہیں"

"تو پھر"

"تو پھر یہ کہ رخسانہ ان ہی کی لڑکی ہے" رخسانہ نے جواب دیا پھر ایکدم لہجہ بدل کر زور سے بولی "میں وہ سو روپیہ ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہے"

"کیا" شریف نے آنکھیں نکالیں۔ شہناز دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی شریف نے پلٹ کر نگاہ ڈالی تو ندیم کھڑا تھا۔

"ہاں، ہاں بھئی لے لینا" مارے گھبراہٹ کے شریف کے منہ سے نکل گیا۔

"گواہ رہنا ندیم انہوں نے تمہارے سامنے وعدہ کیا ہے" شہناز شوخی سے بولی۔

اور شریف کو بعد از وقت ہوش آیا کہ دونوں بہن بھائی نے مل کر اس سے سو روپے ٹھگ لئے ہیں۔

مطالعہ کرنے امتحان دینے اور یادداشت بڑھانے کیلئے ایک بے حد کارآمد نفسیاتی کتاب

امتحان میں کامیابی حاصل کیجیے

قیمت ۲۵ روپے ڈاک خرچ ۱۲ روپے

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ کراچی نمبر ۱

کھانے کی میز پر ندیم اور شریف کچھ باتیں کر رہے تھے شہناز رخسانہ کو ساتھ لیئے اندر داخل ہوئی۔

ندیم کو پہچانتے ہی رخسانہ کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اس نے گھبرا کر شہناز کی طرف دیکھا۔

"یہ کون صاحب ہیں" اس نے چپکے سے پوچھا۔

"میرے بھائی ندیم ہیں" شہناز نے جواب دیا۔

"ندیم"

"ہاں میرا خیال تھا کہ تم پردہ نہیں کرتیں اس لیئے انہیں کھانے کی میز پر بلا لیا ہے"

"یہ یہیں آپ کے پاس رہتے ہیں" رخسانہ نے کچھ اور غور سے ندیم کی طرف دیکھا۔

"نہیں آج ہی آئے ہیں" شہناز نے جواب دیا اور پھر ہنستے ہوئے پوچھا "تم انہیں جانتی ہو؟"

"یہ دونوں سہیلیوں میں کیا کھسر پسر ہو رہی ہے" شریف نے پوچھا۔

ندیم نے گویا چونک کر رخسانہ کی طرف دیکھا۔

"اوہ آپ" وہ کھڑا ہو گیا۔ "میں نے کہا محترمہ وہ میرا سوٹ کیس کہاں ہے"

"سوٹ کیس" شریف نے حیرت ظاہر کی۔

"جی ہاں میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ ایک چڑیل میرا سوٹ کیس چرا کر لے گئی ہے۔"

"کیا بدتمیزی ہے ندیم" شہناز نے ڈانٹا "یہ میری سہیلی رخسانہ ہیں اور اگر تم وہ ہی نوجوان ہو جس کا ذکر رخسانہ نے کیا تھا تو تمہاری سزا اس سے زیادہ ہونا چاہیئے تھی۔"

شہناز اور رخسانہ بھی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئیں۔ رخسانہ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"کیا جرم کیا تھا میں نے۔ ذرا پوچھئے تو اپنی سہیلی سے" ندیم نے تیزی سے کہا

"اُفوہ بھئی یہ کھانے کی میز پر جھگڑا کرنا مجھے سخت ناپسند ہے" شریفہ نے قورمے کا ڈونگا کھولتے ہوئے کہا "تمہیں سوٹ کیس ہی چاہیئے نا وہ مل جائیگا"

"خواہ مخواہ بور کیا اس وقت آپ نے" ندیم بھی چمچے سے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بولا "گھنٹہ بھر سے کھانا میز پر رکھا ٹھنڈا ہو رہا ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان محترمہ کا انتظار کیا جا رہا ہے تو میں اب تک کھا کر اُٹھ چکا ہوتا۔"

"تم کھانا کھاؤ رخسانہ" شہناز نے بڑے پیار سے کہا "اس شریر کی باتوں کا خیال مت کرنا۔ یہ یونہی بکتا رہتا ہے۔"

"بہرحال میں مخدوم صاحب سے معذرت خواہ ہوں" رخسانہ آہستہ لہجہ میں بولی "میری وجہ سے انہیں کافی پریشانی ہوئی۔"

"مخدوم صاحب" شہناز نے پلکیں جھپکائیں۔

"جی ہاں مجھے ندیم صاحب نے اپنا یہ ہی نام بتایا تھا۔"

"پھر تو مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہیں واقعی پریشان کیا ہوگا" شہناز نے ندیم کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں شہناز بہن وہ تو بس یونہی منہ سے نکل گیا تھا" ندیم

نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

شریف نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا۔

"کیا میں نے کوئی بہت مضحکہ خیز بات کہہ دی تھی" ندیم نے چونک کر پوچھا۔

"انہیں قہقہہ لگانے کے لئے کسی بات کی ضرورت نہیں ہوتی" شہناز نے نوالہ توڑتے ہوئے جواب دیا۔ "بس منہ کے اعصاب کچھ دیر کے لئے کنٹرول سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ اچھے خاصے چائے پیتے پیتے گلا پھاڑنے لگے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے آج کل اسٹوڈیو میں اتنا کام ہے اتنا کام ہے کہ کئی دن سے کسی بات پر ہنسنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ اس وقت خالی بیٹھا تھا۔ میں نے سوچا لاؤ دو چار قہقہے پیشگی لگائے جائیں یا اسی طرح ایک مرتبہ نہ جانے کیا بات ہو رہی تھی کہ جناب نے ٹھٹھے مارنا شروع کر دیئے جب اچھی طرح ہنس چکے تو خود ہی بتایا کہ کئی دن سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں قہقہہ لگانا بھول گیا ہوں۔ لوگ بڑے بڑے قہقہہ آور لطیفے سناتے ہیں اور متوقع نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہیں۔ مجھے شرمندگی ہوتی ہے کہ بیچارے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ چنانچہ ذرا اس وقت پریکٹس کر رہا تھا"

"لاحول ولاقوۃ" شریف کچھ جھینپ سا گیا۔ "خواتین سے زیادہ غیر صحت مند راوی بڑ رنے کوئی نہیں دیکھا"

"آپ کم سے کم شہناز کو غیر صحت مند نہیں کہہ سکتے" ندیم نے جواب دیا "یوں جہاں تک روایت کا تعلق ہے مجھے آپ سے سو فیصدی اتفاق ہے"

"لیکن آپ ہنسے کس بات پر تھے" رخسانہ نے پوچھا۔

"شکر ہے بہن کہ تم نے پوچھ لیا ورنہ یہ کھانا کھانے کے بعد میری جان کھا جاتے کہ اب اس گھر میں کوئی ہماری بات پوچھنے کا روادار نہیں ہے۔ خواہ

ہنسیں یا روئیں"، شہناز بولی اور پھر شریف کی طرف دیکھ کر کہا "ہاں صاحب تو آپ کس بات پر ہنس رہے تھے۔"

"ابھی ندیم نے کہا تھا کہ وہ تو بس یونہی منہ سے نکل گیا تھا تو اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا" شریف نے کہنا شروع کیا "میرے ایک دوست ہیں شادی کے بعد وہ جب بھی ملتے کسی نہ کسی مصیبت کا دکھڑا روتے رہتے۔ آج بڑا لڑکا کھیلتے کھیلتے گر پڑا تو اس سے چھوٹے کی نکسیر پھوٹ گئی۔ ایک لڑکی کو بخار آرہا ہے۔ دوسری کو کھانسی اور دوا بیوی پی رہی ہیں۔ آٹا اتنا مہنگا ہو گیا ہے کہ جیب ہلکی ہو جاتی ہے اور کندھے پر وزن کا احساس تک نہیں ہوتا گھی مٹی کا تیل دالیں سب کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ عوام چلاتے حکومت ڈانٹتی ہے مگر نہ ان کی باتیں ختم ہوتی ہیں اور نہ وہ زمین پر آنے کے لیے تیار ہوتی ہیں۔ ادھر تنخواہ اتنی کی اتنی ہے۔ اکیلا تھا تو گذر جاتی تھی مگر جب سے شادی کی ہے۔ جان مصیبت میں آگئی ہے۔ بیوی کی نت نئی فرمائشیں بچوں کی تعداد اور قرض کا بوجھ ہے کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ ان کی باتیں سنتے سنتے ہم لوگ تنگ آچکے تھے۔ آخر جب وہ ایک دن حسب معمول اپنی کتھا سنا چکے تو میں نے پوچھا شادی سے پہلے تمہیں معلوم تھا کہ تمہاری تنخواہ کتنی ہے بولے ہاں معلوم تھا اور گرانی کا حال بھی جانتے تھے میں نے پوچھا جواب دیا کہ ہاں اگرچہ اتنی نہیں تھی مگر گرانی تھی ضرور۔ اور تمہیں یہ اطلاع بھی بہرحال ہوگی کہ شادی کے بعد بیوی آتی ہے تو بچے بھی آتے ہیں اور وہ یاری یاری بیمار بھی ہوتے ہیں۔ کہنے لگے ہاں ہاں بھئی یہ سب باتیں معلوم تھیں مگر تمہارا مطلب کیا ہے۔ میں نے جواب دیا بھلے آدمی جب تمہیں ان سب باتوں کا پتہ تھا تو تم نے نکاح کے وقت بیوی کو قبول کیوں کیا تھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے بولے بھیا وہ تو بس یونہی منہ سے نکل گیا تھا"

ابھی لوگ ہنس ہی رہے تھے کہ ملازمہ کھانے کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"صاحب آپ کا فون آیا ہے" اس نے شریف سے کہا۔

"فون آیا ہے" ندیم نے حیرت سے دہرایا" مگر وہ گیا کہاں تھا۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے تو میں نے اسے ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا دیکھا تھا"

"جی ہاں" ملازمہ نے جواب دیا" فون تو رکھا ہوا ہے مگر فون آیا ہے"

"یہ کیا بات ہوئی فون رکھا ہوا بھی ہے اور فون آیا بھی ہے"

"سرکار وہ باتیں کرنے والا فون رکھا ہوا ہے اور باتیں سننے والا فون آیا ہے" ملازمہ نے اپنی طرف سے سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

"ندیم کیوں بے کار سے پریشان کر رہے ہو" شہناز نے ڈانٹا اور ملازمہ سے بولی" تم جاؤ صاحب ابھی آتے ہیں"

"پتہ نہیں لوگ کھانے کے وقت ہی فون کیوں کرتے ہیں" شریف نے اٹھتے ہوئے ناگواری سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"تم اس سے پہلے بھی کبھی دولت آباد آئی تھیں" شہناز نے رخسانہ سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ یہ پہلا ہی اتفاق ہے" رخسانہ نے جواب دیا۔

"پھر تو تم نے یہاں کے تفریحی مقامات میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا ہوگا" شہناز نے ندیم کی طرف دیکھا" ذرا رخسانہ کو یہاں گھما پھرا دو گے"

"معاف کیجئے میرے پاس بے کار باتوں کے لئے وقت نہیں ہے" ندیم نے جواب دیا" اس کے علاوہ جو محترمہ نواب گنج سے یہاں تک تنہا آسکتی ہیں۔ وہ اکیلی تفریح کرنے بھی جاسکتی ہیں"

"آپ بیکار معافی مانگ رہے ہیں" رخسانہ نے تلخ لہجے میں کہا" اول تو میں یہاں سیر و تفریح کے لئے آئی بھی نہیں ہوں۔ اور کبھی ارادہ ہوا بھی تو آپ جیسے بور آدمی کے ساتھ وقت خراب کرنے سے اکیلے ہی جانا بہتر ہے"

اس نے شہناز کی طرف دیکھا" میرا ارادہ یہاں کوئی سروس تلاش کرنے کا ہے"

"صرف تلاش کرنے کا" ندیم نے آہستہ سے کہا۔

"سروس ملتے ہی میں اپنے رہنے کا انتظام بھی کرلوں گی"، رخسانہ نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا "میں نہیں چاہتی کہ آپ میری وجہ سے بلا وجہ پریشان ہوں۔"

"گویا پریشانی کی کوئی وجہ ہو تو ضرور پریشان ہوں" ندیم نے پھر دخل دیا۔

"تم خاموش نہیں رہو گے" شہناز نے سخت لہجہ میں کہا اور رخسانہ کی طرف دیکھ کر بولی "مگر تمہیں یہ خیال کیوں ہوا کہ میں تمہاری وجہ سے پریشان ہوں۔ سروس کرنا چاہتی ہو شوق سے کرو۔ میں شریف صاحب سے کہوں گی۔ کوئی مناسب جگہ ان کی نظر میں ہوئی تو کوشش بھی کر دیں گے۔ مگر سروس کر کے بھی تم یہاں رہ سکتی ہو۔ کم سے کم اس وقت تک میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی جب تک رضیہ نہ آجائے"

ابھی رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ شریف واپس آگیا۔ اس کے چہرے سے تشویش اور فکرمندی کے تاثرات ظاہر تھے۔

کیا بات ہے۔ کس کا فون تھا؟" شہناز نے جلدی سے پوچھا۔

شریف کوئی جواب دیئے بغیر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ شہناز کے ساتھ ہی ندیم اور رخسانہ بھی متوقع نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کس کا فون تھا؟"

"ڈی۔ ایس پی صغیر صاحب کا" آخر شریف نے جواب دیا۔

"ڈی ایس پی" رخسانہ نے سانس روک لی۔

"یا اللہ آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے" شہناز بے تابی سے بولی۔

"انہوں نے کل صبح اپنے دفتر میں ندیم اور رخسانہ کو بلایا ہے"

"مجھے" ندیم بڑے زور سے چونکا۔

"مگر کیوں" شہناز بھی حیران تھی۔

نواب گنج سے کسی امیر گھرانے کی لڑکی اپنے قیمتی زیورات اور دس ہزار روپیہ نقد لے کر چلی گئی ہے۔" شریف نے بتایا "یہاں دولت آباد سٹی اسٹیشن پر ڈی ایس پی صاحب کے کہنے کے مطابق رخسانہ اور ندیم نے پولیس کے سامنے خود کو میاں بیوی ظاہر کیا تھا۔"

"مارے گئے ندیم صاحب اور کرو صنف نازک سے ہمدردی" ندیم بڑبڑایا۔

"ایک ٹکٹ چیکر اور ایک انسپکٹر کو رخسانہ پر کچھ شبہ ہوا تھا مگر جب ان لوگوں نے اپنے آپ کو شوہر اور بیوی بتایا تو وہ انہیں نہیں روک سکے۔ اب ڈی ایس پی صاحب چاہتے ہیں کہ انہیں خود دفتر میں بلا کر بات کریں۔"

"مگر انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دونوں یہاں ہیں" شہناز نے پوچھا۔

"جو ٹیکسی ڈرائیور رخسانہ کو یہاں چھوڑ گیا تھا۔ پولیس نے اسے تلاش کر کے اس کا بیان لیا تو اس نے بتا دیا کہ بیگم صاحبہ نے صاحب کو اسٹیشن پہ چھوڑ دیا تھا۔ اور خود یہاں اتر گئیں۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے" شہناز ہنسنے لگی "یہ دونوں اگر راستہ میں میاں بیوی بن سکتے ہیں تو وہاں ڈی ایس پی کے سامنے جا کر بھی یہ ہی ڈرامہ کھیل سکتے ہیں۔"

"جی نہیں" ندیم کھٹ سے بولا "مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ میں اب اس مذاق کو مزید آگے بڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ٹرین میں محض اس خیال سے حامی بھر لی تھی کہ رخسانہ صاحبہ کو سفر میں خواہ مخواہ کی پریشانی نہ ہو مگر اس ہمدردی کا صلہ ملنا تو کجا سزا یہ ملی کہ ایک چھوٹا بہانہ بنا کر مجھے وہیں اسٹیشن پر ٹاپتا چھوڑ دیا گیا اور خود میرا سوٹ کیس لے کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔"

"مگر اب اس سے بھی کام نہیں چل سکتا" شریف کا لہجہ بدستور سنجیدہ تھا۔ ڈی ایس پی صاحب نے ہدایت کی ہے کہ یہ دونوں اپنی شادی کا دستاویزی ثبوت بھی لے کر آئیں۔"

"دستاویزی ثبوت مگر . . . . . ."

"ڈی ایس پی صاحب کہہ رہے تھے" شریف نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کہ میں نے محض آپ کی خاطر گھر پر پولیس نہیں بھیجی اور یہ کل تک کی مہلت بھی اپنی ذمہ داری پر دے رہا ہوں۔ چنانچہ اب اگر کوئی بات ہوتی ہے تو میری پوزیشن خراب ہوگی۔"

"جناب آپ کی پوزیشن خراب ہو یا اچھی مگر میں قربانی کا بکرا بننے کے لئے تیار نہیں ہوں" ندیم نے تیزی سے کہا "اس کے علاوہ آپ لوگوں نے یہ کیوں فرض کر لیا ہے کہ رخسانہ صاحبہ سچ مچ گھر سے بھاگ کر آئی ہیں۔ ممکن ہے وہ کوئی دوسری لڑکی ہو۔ اور ایسی صورت میں آپ اور یہ بڑی آسانی سے جاکر اپنی پوزیشن کی وضاحت کر سکتے ہیں کہا جاسکتا ہے کہ سفر میں پریشانی سے بچنے کے لئے ایک مذاق کیا گیا تھا۔"

"مگر میں ایسا نہیں کر سکتی" رخسانہ گھبرا کر بولی۔

"کیوں۔ کیا آپ واقعی زیورات اور نقد روپیہ لے کر بھاگی ہیں" ندیم نے پوچھا۔

"نہیں . . . . . . مگر . . . . ."

"تو پھر آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے؟"

"تم سمجھتے نہیں" شریف نے رخسانہ کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے کہا "اب اگر پولیس کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تم میاں بیوی نہیں تھے تو خواہ رخسانہ وہ لڑکی ہوں یا نہ ہوں پولیس تم دونوں کو بھی شبہ کی نظر سے دیکھے گی اور اگر اس بات کی اطلاع رخسانہ کے والدین تک پہونچی یا پولیس نے اپنی تحقیقات کا دائرہ وہاں تک پھیلا دیا تو ان کے لئے انتہائی ذلت آمیز بات ہوگی۔"

رخسانہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونا شروع کر دیا۔ شہناز اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس پہونچی اور بڑی محبت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم پریشان مت ہو ہم اس سے بچنے کی کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ لیں گے"۔ وہ بولی اور شریف کی طرف دیکھ کر کہا "پھر اب آپ کا مشورہ کیا ہے"

"میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں ہمارے لئے بلاوجہ کی پریشانی ذلت اور اخباری پبلسٹی سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے" شریف نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا" ندیم نے جلدی سے پوچھا۔

"کہ تمہاری اور رخسانہ کی شادی کر دی جائے" شریف نے سنجیدگی سے جواب دیا حالانکہ دل میں اسے ہنسی روکنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ہرگز نہیں مجھے مغرور لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں" ندیم نے تیزی سے جواب دیا "رخسانہ صاحبہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے۔ وہ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ ہم دونوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور پھر آخر میں کیوں کسی کے لئے قربانی کا بکرا بنوں۔ مجھے ان سے کیا دلچسپی ہے"

"تو یہاں کون آپ کی خوشامد کر رہا ہے" رخسانہ روتے ہوئے بولی۔

"اوہ تم دونوں نے پھر لڑنا شروع کر دیا"

"آپ ہی دیکھ لیجئے بھلا ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں" ندیم نے جیسے احتجاج کیا۔

"میرے خیال سے ایسا کرتے ہیں" شہناز نے مشورہ دیا "کہ فی الحال اس پریشانی سے بچنے کے لئے یہ دونوں شادی کر لیں اور جب بات ختم ہو جائے تو ان کی مرضی ہے۔ اس رشتہ کو قائم رکھیں یا ختم کر دیں"

"بھئی واہ کیا لاجواب مشورہ ہے" شریف اچھل پڑا "بقول شخصے ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے۔ اور اسی کو یوں بھی کہا گیا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ پولیس کا اطمینان بھی ہو جائے گا اور ان کا بھی کچھ نہ بگڑے گا بشرطیکہ ......"

وہ لمحہ بھر کے لئے رکا اور شریر لہجہ میں بولا

"بشرطیکہ بعد میں کسی کی نیت نہ بدل جائے۔"

"جی ہاں مجھے اسی کا خطرہ ہے،" ندیم جلدی سے بول پڑا "یہ محترمہ تو نواب گنج سے ہی میرے گلے پڑی جا رہی تھیں۔"

"ضرور" رخسانہ نے سسکیاں لیتے ہوئے منہ چڑایا "پتہ نہیں آپ کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ آپ تو میرے پاؤں بھی پڑیں تب بھی میرا جواب یہ ہی ہوگا کہ عنقا را بلند است آشیانے۔"

"بس تو پھر یہ بات طے ہو گئی کہ آپ ابھی سہ پہر کو قاضی صاحب اور اپنے چند دوستوں کو بلا کر ان دونوں کا نکاح پڑھوا دیں" شہناز نے کہا۔

"بھئی ایمانداری کی بات یہ ہے کہ مجھے اس تجویز سے سراسر خطرے کی بو آ رہی ہے،" ندیم نے سوچتے ہوئے کہا۔

"خطرے کی کیا بات ہے۔ جب تم دونوں ہی ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہو تو معاملہ ٹھنڈا ہوتے ہی علیحدہ ہو جانا" شریف بولا۔

"جی ہاں دل کے سمجھانے کو تو بہت سی دلیلیں دی جا سکتی ہیں" ندیم نے جواب دیا۔ "بہر حال مجھے ان محترمہ کے آنسوؤں پر رحم نہ آگیا ہوتا تو کبھی ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔"

تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں رخسانہ" شہناز نے پوچھا۔

"میرے امی ابو کو پتہ چلے گا تو وہ کیا کہیں گے؟"

"ہم انہیں پتہ چلنے ہی کیوں دیں گے" شریف نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ جیسا کہ طے ہو چکا ہے یہ ایک بالکل عارضی انتظام ہے کوئی مستقل چیز ہوتی تو البتہ فکر کی بات تھی۔"

اور اس طرح اسی دن عصر کے وقت تقریباً پانچ بجے تین چار گواہوں کی موجودگی میں قاضی صاحب نے ندیم اور رخسانہ کا نکاح پڑھا دیا۔

"کمال ہے" ندیم نے نہایت بوریت سے اخبار ایک طرف ڈال دیا "آج ایک ہفتہ ہو گیا ہے مگر کوئی قاعدے کی ملازمت کا اشتہار ہی نہیں دیتا۔ دس پندرہ جگہ درخواستیں بھی بھجوا چکا ہوں وہاں سے کسی اللہ کے بندے کو جواب دینے کی توفیق نہیں ہوئی۔" وہ شریف کی طرف متوجہ ہوا۔ "یہ آپ کا دولت آباد بھی بس یوں ہی ہے۔ ایک غریب الوطن مسافر کے لیے اس کی فیکٹریوں، ملوں اور کمپنیوں میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ بھی وعدہ تو روز کرتے ہیں مگر شاعروں کے محبوب کی طرح ایفا ایک بھی نہیں کرتے۔"

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے شریف بھائی کہ پہلے میرے لئے کسی ملازمت کا انتظام کریں گے" رخسانہ نے کہا۔

"کیوں جناب آپ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ پہلا چانس آپ کو دیا جائے" ندیم تیزی سے بولا "اصولاً میرا حق زیادہ ہے میں تو کہتا ہوں آپ کے سلسلہ میں شریف بھائی پر کوئی ذمہ داری سرے سے عائد ہی نہیں ہوتی۔ آپ اپنی مرضی سے گھر سے نکلیں اپنی مرضی سے اتنی دور کا سفر کیا۔ اپنی مرضی سے شادی کی مگر ملازمت آپ کو شریف بھائی تلاش کر کے دیں۔ آخر کیوں"

"میں نے ہرگز اپنی مرضی سے شادی نہیں کی" رخسانہ نے تلملا کر جواب دیا۔

"جی ہاں نکاح کے وقت شریف بھائی نے آپ کی طرف سے کہہ دیا تھا۔"

"وہ ایک مجبوری تھی۔"

"درست ہے۔ مگر میرے لئے آپ کے لئے کوئی مجبوری نہیں تھی" ندیم نے کہا اور شریف سے پوچھا "آخر یہ ڈھونگ کب تک چلتا رہے گا۔ کیا ابھی تک آپ کے ڈی ایس پی صاحب کو اطمینان نہیں ہوا؟"

"بھئی میں نے نکاح نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی تو انہیں جاکر دے دی تھی۔ شریف نے بتایا "لیکن وہ انہوں نے لے کر رکھ لی۔ اور ابھی تک واپس نہیں

کی ہے اور جب تک واپس نہ ملے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب پولیس بلا کر سوال و جواب کر لے۔"

"یہ اچھی مصیبت ہے" ندیم بڑبڑایا "اب جب تک یہ بیگم صاحبہ گلے سے لٹکی ہوئی ہیں کسی خوبصورت لڑکی سے فلرٹ بھی نہیں کر سکتے تاکہ آئندہ سچ مچ کی شادی کے موقع پر کام آئے"

"میری طرف سے آپ جہاں چاہیں جھک مارتے پھریں مجھے کیا۔"

"مگر مجھے ہے۔ کل آپ شاپنگ کرتے وقت سیلز مین سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھیں۔ یہ بات مجھے بے حد ناپسند ہے" ندیم بولا۔

"ہوا کرے۔ میں آپ کی پسند ناپسند کی پابند نہیں ہوں"

"بالکل ہیں جب تک آپ کو دنیا مسز ندیم خیال کرتی ہے اس وقت تک آپ کسی نوجوان سے بات نہیں کر سکتیں خاص طور پر مسکرا کر ورنہ آپ کیا کر لیں گے۔"

"میں ۔ ۔ ۔ ۔ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

"اپنی"

"جی نہیں اس نوجوان کی"

"دیکھ لیجئے شریف بھائی" رخسانہ نے شکایت کی "طے ہو چکا تھا کہ کوئی اس رشتہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ اس طرح اکڑ رہے ہیں جیسے ۔ ۔ ۔ ۔ جیسے ۔ ۔ ۔" وہ ایکدم خاموش ہو گئی۔

"ہاں بھئی یہ بات تو ہے" شریف نے تائید کی "جب تمہیں ایک دوسرے سے کوئی مطلب ہی نہیں تو ملنے جلنے پہ پابندی کیسے لگا سکتے ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ یعنی ہم تو اس مقدس رشتہ کا خواہ وہ عارضی ہی سہی اتنا احترام کریں کہ کوئی لڑکی ٹائم بھی پوچھتی ہے تو یہ ہی جواب دیتے ہیں کہ ہماری شادی ہو چکی ہے کسی اور سے پوچھ لو اور بیگم صاحب کا یہ حال ہے

کہ...... خیر کوئی بات نہیں اب میں بھی ایک سے ایک حسین لڑکی کے ساتھ کلب جانا شروع کردونگا۔"

"تم دونوں کی لڑائیوں نے تو ناک میں دم کر دیا ہے" شہناز تیوری چڑھا کر بولی "آپ ان کے لئے کوئی کام دھندا کیوں نہیں تلاش کرتے" اس نے شریف سے کہا" دن بھر گھر میں کٹ کھنی مرغیوں کی طرح لڑتے رہتے ہیں"۔

"یہ لوگ کچھ بتلانے کی مہلت بھی تو دیں" شریف نے ہنس کر کہا" میں نے ایک نہایت مناسب ملازمت کا بندوبست کر لیا ہے"

"میرے لئے نا" ندیم نے جلدی سے پوچھا۔

"جی نہیں میرے لئے۔ کیوں شریف بھائی ؟" رخسانہ بھلا کیسے خاموش رہتی "بھئی تم دونوں کے لئے" شریف نے جواب دیا" میرے ایک دوست ہیں سیٹھ رمضانی بہت بڑے آدمی ہیں۔ انہیں اپنے لئے ایک پرائیویٹ سیکرٹری اور اپنی جوان لڑکی کے لئے ایک ٹیوٹر کی ضرورت ہے میں نے تم دونوں کا ذکر کیا تو فوراً آمادہ ہو گئے تمہیں آج ہی میرے ساتھ ان کے بنگلہ چلنا ہے"

"کیا عمر ہو گی سیٹھ صاحب کی" ندیم نے پوچھا۔

"عمر تو پچاس پچپن سال سے کم نہیں ہے۔ مگر صحت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے چالیس سال سے زیادہ کے نظر نہیں آتے" شریف نے بتایا۔

"بس تو پھر میں ان کا سیکرٹری بن جاؤں گا۔ اور رخسانہ ان کی لڑکی کو پڑھائیں گی" ندیم نے کہا۔

"جی نہیں مجھے پڑھانے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میرے لئے سیکرٹری کی پوسٹ مناسب رہے گی" رخسانہ نے جواب دیا "سیٹھ صاحب تنخواہ کیا دیں گے" اس نے شریف سے پوچھا۔

"سیکرٹری کو دو ہزار اور ٹیوٹر کو ایک ہزار روپیہ" شریف نے جواب دیا۔

"پھر تو سیکرٹری کی جگہ لازماً مجھے ملنا چاہیئے" ندیم نے کہا" مجھے زیادہ

تنخواہ کی ضرورت ہے۔"

"کیوں صاحب آپ کو زیادہ تنخواہ کی ضرورت کیوں ہے؟" رخسانہ نے بگڑتے ہوئے پوچھا۔" دنیا جانتی ہے کہ عورتوں کے اخراجات مردوں سے زیادہ ہوتے ہیں"

ہوتے ہوں گے" ندیم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔"مگر مجھے آج نہ سہی کل ایک پورے خاندان کا بوجھ اٹھانا ہے۔ کبھی نہ کبھی کوئی اصلی بیوی ملے گی ہی"

"منہ دھو رکھیں کسی کا دماغ خراب نہیں ہوا ہے جو آپ کے ساتھ اپنی قسمت پھوڑنے پر تیار ہو جائے گی۔"

"بھئی میرے خیال سے تو اس بات کا فیصلہ کرنا سیٹھ صاحب کا کام ہے" شریف نے کہا "وہ جسے جس جگہ کے لئے مناسب سمجھیں گے۔ رکھ لیں گے تم دونوں جلدی سے تیار ہو جاؤ" اس نے اپنی گھڑی دیکھی "ٹھیک دس بجے ان کی کوٹھی پر پہونچ جانا ہے۔"

"مجھے نہیں رخسانہ صاحبہ کو تاکید کیجئے" ندیم اٹھتے ہوئے بولا "گھنٹہ بھر سے پہلے تو ان کا میک اپ ہی ختم نہیں ہو گا۔"

"اور خود جناب جو دو دو گھنٹے سیفٹی ریزر سے چہرے پر ہل چلاتے رہتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں" رخسانہ نے فوراً جواب دیا۔

"میں اسی پر حیران ہوں کہ دنیا کی کوئی بات ایسی ہو گی جس میں تم لوگ اختلاف کا پہلو نہ تلاش کر لو۔"

شہناز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اتفاق کرنے کے لئے معقولیت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بدقسمتی سے اتنی سی بھی رخسانہ صاحبہ کے حصہ میں نہیں آئی۔"

ندیم نے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ رخسانہ کوئی جواب دے سکے کمرے سے نکل گیا۔

"تو میں کہہ رہا تھا" سیٹھ رمضانی نے سر سے پیر تک ندیم اور رخسانہ کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا "اچھا تو یہ ہیں وہ دونوں جن کی تم نے سفارش کی تھی۔ ویسے سفارش کا حال یہ ہے کہ میں نے باہر کے ملکوں سے کچھ بھاری مشینری درآمد کرنے کے لیئے ایک بہت بڑے آدمی سے سفارش کرائی کہ حکومت مجھے کم سے کم دو لاکھ کا لائسنس دے دے۔ مگر جب لائسنس ملا تو وہ صرف پچاس ہزار کا تھا۔ اتنے دن سے بندوق کے لائسنس کی درخواست دے رکھی ہے تو وہ بھی ابھی تک بن کر نہیں آیا ہے۔ ادھر آج کل جو بندوق بن کر آرہی ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ وقت پڑنے پر ترکاری کاٹنے کا چاقو ان سے کہیں زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا بھی دماغ خراب ہونے لگا ہے۔ کہتے ہیں صحت کے لیئے ترکاریاں ہی کھانا از بس ضروری ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ترکاریاں ہی کھانا ہوتیں تو ہم ادھر کیوں آتے تو میں کہہ رہا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"آپ نے یہ کہا تھا کہ میں ان دونوں کو لے آؤں تو آپ سیکرٹری اور ٹیوٹر کی پوسٹ کے لیئے رکھ لیں گے" شریف جلدی سے بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"ضرور ضرور تو میں کہہ رہا تھا میاں کہ نام کیا ہے تمہارا" سیٹھ رمضانی نے ندیم سے پوچھا۔

"جی مجھے ندیم کہتے ہیں۔"

"ندیم" سیٹھ صاحب نے زیر لب دہرایا "مجھے یاد آیا ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں کسی کتاب میں بھی پڑھا تھا۔ کچھ ایسی ہی بات تھی کہ کسی شاعر نے کسی صاحب کے ہاتھ کوئی چیز بھجوائی تھی مگر وہ صاحب پلٹ کر ہی نہیں آئے تو انہوں نے تم سے شکایت کی کہ تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم اور پتہ نہیں کیا۔"

"جی ہاں وہ ندیم میں ہی ہوں" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر تو میں کہہ رہا تھا کہ بے بی کو بھی شعر و شاعری کا بہت شوق ہے۔ تم یقیناً اسے بہت اچھی طرح پڑھا سکو گے۔ ویسے پڑھنے سے فائدہ کیا ہے۔ یہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پچھلے سال کی بات ہے کہ مجھے تین لاکھ انکم ٹیکس دے کر بھی پانچ لاکھ فائدہ ہو گیا تھا مگر اس سال حالات بہت خراب ہیں۔ جگہ جگہ ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ دنگا فساد ہو رہا ہے تو میں کہہ رہا تھا..... کیا کہہ رہا تھا میں بھئی"

انہوں نے شریف کی طرف دیکھا

"آپ یہ کہہ رہے تھے کہ آپ نے ندیم کو بے بی نادرہ کا ٹیوٹر رکھ لیا ہے" شریف نے بتایا۔

"بالکل بالکل اور یہ لڑکی" سیٹھ رمضانی نے رخسانہ کی طرف دیکھا "تمہارا کیا نام ہے بھئی"

"رخسانہ" رخسانہ نے جواب دیا

"ایں" سیٹھ صاحب چونکے "رخسانہ تو شائد سکندر اعظم کی بیوی کا نام تھا"

"تھا نہیں سہراب مودی صاحب نے جو فلم بنائی تھی اس میں رکھ دیا تھا" ندیم نے بتایا۔

"وہ ہی تو میں بھی کہہ رہا تھا" سیٹھ صاحب نے گردن ہلائی "گویا کہ تم دونوں سے غائبانہ تعارف پہلے ہی سے تھا میرا۔ بہرحال تو تم آج سے میری سیکریٹری ہو۔ کام کچھ ایسا زیادہ نہیں ہے۔ بزنس میرا لڑکا کمال سنبھال لیتا ہے۔ دو چار خط جو میرے نام آتے ہیں۔ بس ان ہی کے جوابات وغیرہ دینا ہوتے ہیں یا پھر کبھی کبھی کمال دفتر سے کچھ ٹائپ کا کام گھر لے آتا ہے۔ ٹائپ تو تم جانتی ہو گی"

"جی ہاں کچھ یونہی سا جانتی ہوں مگر جلد ہی سیکھ جاؤں گی" رخسانہ نے جواب دیا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے کام کے بارے میں زیادہ فکر مت کرنا بس

جتنا ہو جائے ٹھیک ہے مگر ٹائم سے ڈیوٹی پر آنا بہت ضروری ہے"

سیٹھ صاحب نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی پہ ہاتھ مارا آواز سن کر ایک چپراسی نما ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

"دیکھو بے بی اور کمال میاں اپنے کمرے میں ہوں تو انہیں بلاؤ" سیٹھ صاحب نے چپراسی کو حکم دیا اور جب وہ چلا گیا تو شریف کی طرف دیکھ کر بولے "ہاں بھئی تو میں کہہ رہا تھا کہ تم نے ان لوگوں کو تنخواہ وغیرہ کے بارے میں تو بتا دیا ہوگا؟"

جی ہاں۔ سیکریٹری کے لئے دو ہزار اور ٹیوٹر کے لئے ایک ہزار میں نے انہیں بتا دیا ہے" شریف نے جواب دیا۔

"غلط بتایا ہے تم نے" سیٹھ صاحب نے فوراً کہا "جب تم نے ان کا ذکر کیا تھا تو یہ نہیں کہا تھا کہ ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی میں ذاتی طور پر لڑکیوں کو پسند کرتا ہوں۔ مگر اس کے باوجود عورت کے مقابلے میں مرد کا کام بھی زیادہ ہوتا ہے اور ذمہ داریاں بھی ہیں ندیم کو دو ہزار اور رخسانہ کو ایک ہزار روپیہ دونگا"

ندیم نے منہ چڑانے والے انداز میں رخسانہ کی طرف دیکھا۔ مگر رخسانہ نے جلدی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ "تو میں کہہ رہا تھا کہ کمال ذرا کچھ کھلنڈرے مزاج کا لڑکا ہے" سیٹھ صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "دفتر سے فارغ ہو کر شام کے وقت کلب وغیرہ بھی جاتا ہے۔ بہت جلد بے تکلف ہو جاتا ہے۔ اس کی باتوں کا برا مت ماننا۔ آج کل لڑکیوں نے ذرا ذرا سی بات پر برا ماننے کا فیشن اختیار کر لیا ہے۔ حالانکہ فیشن کوئی دیرپا چیز نہیں ہے موسم کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو موسم کے بدلنے کا بھی انتظار نہیں کرتا ویسے دولت آباد کا موسم بڑا واہیات ہو گیا ہے۔ نہ گرمیوں کا پتہ چلتا ہے نہ سردیوں کا اور پتہ تو آج کل کسی بھی چیز کا نہیں چلتا۔ صبح سے اپنا چشمہ کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔ اسی کا پتہ نہیں چل رہا ہے"

"ایک چشمہ تو آپ نے لگا بھی رکھا ہے" ندیم نے بتایا۔

"ایں" سیٹھ صاحب نے جلدی سے اپنی ناک ٹٹولی "تعجب ہے چشمہ لگا ہوا ہے اور پھر بھی صاف نظر نہیں آتا کہیں میری نگاہ کچھ اور کمزور تو نہیں ہو گئی"

"میرا خیال ہے اس میں آپ کی نگاہ کا قصور نہیں" رخسانہ نے کہا "بس ذرا شیشے صاف نہیں ہیں"

"لاحول ولا قوۃ" سیٹھ صاحب چشمہ اتار کر قمیص کے دامن سے اس کے شیشے صاف کرتے ہوئے بولے "کمال سچ ہی کہتا ہے۔ سیکرٹری کے بغیر آدمی کو کچھ بھی ٹھیک سے نظر نہیں آتا تو میں کہہ رہا تھا کہ ......"

مگر اسی وقت کمرے میں کمال اور نادرہ داخل ہوئے اور سیٹھ صاحب کو یہ بتانے کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے ندیم نے دیکھا کہ کمال ایک خاصا خوش شکل اور جامہ زیب نوجوان ہے اور جس قسم کے تنگ و چست کپڑے اس نے پہن رکھے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہت زیادہ ماڈرن بھی ہے۔ نادرہ اپنے بھائی سے بھی دو چار قدم آگے ہی نظر آتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ غسل کے اس مختصر لباس نے جو اس نے اس وقت پہنا ہوا تھا۔ اس کے حسین و سڈول جسم کو بے حد پرکشش اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔

"تو میں کہہ رہا تھا نادرہ بیٹی کہ میں نے آج تمہارے لئے ایک بہترین ٹیوٹر کا انتظام کر دیا ہے" سیٹھ صاحب نے انہیں آتے دیکھ کر کہا "ان سے ملو یہ ہیں۔ ندیم صاحب تمہارے نئے استاد اب اس سال تمہیں دسویں کے امتحان میں گیارہویں بار فیل نہیں ہونا چاہیئے"

"اوہ ہاؤ سویٹ" نادرہ نے باریک سی آواز نکالی اور بڑی بے تکلفی سے صوفے پر بالکل ندیم کے برابر ہی بیٹھ گئی،

رخسانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی" ندیم نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

اور بھئی کمال میاں دیکھ لو کہ میں نے اپنے اور تمہارے لئے ایک سیکرٹری بھی آخر کار رکھ ہی لی ہے۔"

"ہاؤ ڈو یو ڈو" کمال نے آگے بڑھ کر رخسانہ کے ہچکچانے کے باوجود اس کا ہاتھ پکڑ ہی نہیں لیا بلکہ اسے کھینچ کر صوفے سے کھڑا بھی کر دیا۔

"آئیے" وہ بولا "میں آپ کو وہ کمرہ دکھا دوں جہاں بیٹھ کر آپ کو کام کرنا ہے۔"

"ہاں لے جاؤ" سیٹھ صاحب نے گردن ہلائی "تو میں کہہ رہا تھا۔ نادرہ بیٹی کہ تم بھی ندیم کو اپنا اسٹڈی روم دکھا لاؤ۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ آج ہی سے پڑھائی بھی شروع کر دو۔ آخر جب ٹیوٹر رکھ لیا گیا ہے تو وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ وقت بڑی دولت ہے۔ اور دولت بڑی مشکل سے ہاتھ آتی ہے۔ اور یہ تمہارے ہاتھ مجھے ہی ننگے نظر آ رہے ہیں یا واقعی تم نے کوئی کپڑا نہیں پہن رکھا ہے؟"

"نہیں ڈیڈی میں نہانے جا رہی تھی کہ چپراسی نے بتایا آپ بلا رہے ہیں تو یونہی چلی آئی" وہ صوفے سے ندیم کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی "آئیے چلیں" رخسانہ کمال کے ساتھ اور ندیم نادرہ کے ساتھ کمرے سے باہر چلے گئے تو سیٹھ صاحب شریف کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ہاں شریف صاحب میں کہہ رہا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔"

"کہ اب مجھے بھی آپ سے رخصت کی اجازت مانگنا چاہیئے۔ وہاں اسٹوڈیو میں میرا انتظار کیا جا رہا ہو گا۔"

"یہ نہیں" سیٹھ صاحب نے سر ہلایا "میں غالباً کوئی اور ہی بات کہہ رہا تھا"

رخسانہ بڑے انہماک سے کوئی خط ٹائپ کر رہی تھی۔ کمال نے آہستہ

سے کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکا۔
رخسانہ کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ دبے پاؤں اندر آیا اور بہت احتیاط سے ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا رخسانہ کی کرسی کے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا۔ رخسانہ بدستور سر جھکائے ٹائپ کئے جا رہی تھی۔ کمال نے ایک لمحہ کچھ سوچا پھر اس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے اور رخسانہ کی آنکھوں کو چھپا لیا۔

"کون" رخسانہ چونک گئی۔

کمال نے ایک قہقہہ لگا کر ہاتھ ہٹا لئے۔

"کیوں ڈر گئیں" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"آپ" رخسانہ نے پلٹ کر کمال کو گھورا" یہ کیا حرکت ہے"

"حرکت ہی میں برکت ہے۔ رخسانہ ڈیئر" کمال نے جواب دیا" پتہ کچھ معلوم ہے پانچ بج چکے ہیں۔ آج کا کام ختم"

"میں ایسی اوچھی باتیں پسند نہیں کرتی" رخسانہ ترشی سے بولی۔

"مگر میں بہت پسند کرتا ہوں"

"تو پھر آپ مجھے اپنی پسند کا پابند کیوں سمجھتے ہیں" رخسانہ نے جواب دیا" ذرا ہٹ کر کھڑے ہوئیے۔ مجھے یہ ضروری خط ابھی ختم کرنا ہے"

"یہ رہا تمہارا ضروری خط" کمال نے ٹائپ رائٹر سے کاغذ کھینچ لیا" اور تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی پسند ہی کا نہیں اپنا پابند بھی سمجھتا ہوں"

"تو کان کھول کر سن لیجئے کہ میں یہاں صرف ملازمت کرنے آئی ہوں" رخسانہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

کمال نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ دروازے کے سامنے سے گذرتے ہوئے

ندیم نے یہ قہقہہ سنا اور اس کے قدم رک گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں آ گیا۔

"پھر کیا ہوا۔ محبت کرنا ملازمت کی شرائط کے خلاف تو نہیں ہے" کمال نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا "میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ رخسانہ ڈارلنگ۔ کیا میں اتنا برا ہوں کہ تم میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتیں"

کمال نے رخسانہ کو اپنی طرف کھینچا تو ایک لمحہ کے لیئے رخسانہ کا چہرہ دروازے کی جانب ہو گیا۔ اس نے ندیم کو کھڑے دیکھ لیا اور مزاحمت کا ارادہ ترک کر کے کمال کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"کون کہتا ہے کہ آپ برے ہیں" وہ بڑے انداز سے لچک کر بولی "صورت شکل ہزار میں ایک ماڈرن تعلیم یافتہ، دولت مند سوسائٹی میں عزت و شرافت کے ستون۔ آخر خدا نے کیا شے آپ کو نہیں دی۔ میں تو کہتی ہوں کہ آپ ان بزعم خود یوسف ثانی نوجوانوں سے لاکھ درجہ بہتر ہیں جنہیں ان کی مردانگی کا زعم کسی شریف لڑکی سے سیدھے منہ بات نہیں کرنے دیتا۔ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ ڈیوٹی کے ٹائم میں یہ سب باتیں اچھی نہیں لگتیں"

"تو۔۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔۔ گویا تم میری محبت قبول کرتی ہو" کمال نے بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں آپ کسی بھی لڑکی کے آئیڈیل شوہر بن سکتے ہیں"

"اوہ رخسانہ ڈارلنگ" کمال نے اسے آغوش میں لینا چاہا۔

"اتنی بے صبری اچھی نہیں ہوتی کمال صاحب" رخسانہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "کم سے کم ابھی ہمیں ایک دوسرے کو کچھ اور سمجھنے کا موقع ملنا چاہیئے پھر آپ اپنے ڈیڈی سے بھی بات کر لیں کہ انہیں مجھے اپنی بہو بنانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے"

"ڈیڈی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ڈارلنگ" کمال نے جواب دیا" وہ تو اور خوش ہوں گے کہ انہیں بیٹے کے لئے بیوی تلاش کرنے کی پریشانی سے نجات ملی. معلوم ہے میں اب تک کم سے کم ایک درجن رشتے مسترد کر چکا ہوں"

" اچھا. مگر کیوں"

"کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی تھی" کمال نے جواب دیا" محبت تو دل کا سودا ہے. تمہیں دیکھتے ہی دل نے بے اختیار کہہ دیا کہ ہاں یہ ہے کوئی چیز" ندیم تیزی سے گھوما اور دروازے سے نکل گیا. رخسانہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے جاتے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی.

"تو آپ کسی چیز کی تلاش میں تھے. وہ شوخی سے بولی.

" ہاں ایسی چیز جسے میں اپنی آنکھوں کے راستہ دل میں بٹھالوں" کمال نے بڑے رومانٹک لہجہ میں کہا.

" مگر میرا قد پانچ فٹ تین انچ ہے اور وزن ایک سو پانچ پونڈ" رخسانہ نے اسی شوخی سے کہا اور . . . . . .

" اور سینہ چھتیس انچ کمر بائیس انچ" کمال بات کاٹتے ہوئے بولا.

"میں جانتا ہوں ڈارلنگ. میں نے نگاہوں کے گز سے تمہارے تمام ناپ لے لئے ہیں"

" میرا مطلب یہ نہیں تھا" رخسانہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گذر گیا

"میں کہہ رہی تھی کہ اتنی بھاری بھر کم چیز رکھنے کے لئے تو کسی ہاتھی کے دل کی ضرورت ہو گی"

" میرا دل کسی ہاتھی کے دل سے بھی بہت بڑا ہے"

"ایک بات اور بھی ہے" رخسانہ آہستہ سے بولی.

" وہ کیا"

" میری شادی بھی ہو چکی ہے"

"کچھ بھی ہو چکا ہو مگر میں اب تمہاری محبت کے دعوے سے دست بردار نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ " کمال کہتے کہتے رک گیا پھر ایک دم چونک کر بولا "کیا کہا تم نے کیا ہو چکی ہے "

"شادی"

"شادی" کمال چیخا "کس سے"

"ندیم صاحب سے"

یہ ہی ندیم جو نادرہ کو پڑھاتا ہے"

"ہاں"

"لاحول ولا قوۃ وہ بھی کوئی آدمی ہے جس سے شادی کی جائے کیا تم نے اپنی پسند سے کی تھی "

"نہیں۔ بس حالات کی مجبوری تھی "

"کوئی بچہ تو نہیں ہے"

"چار بچے ہیں۔ رخسانہ سر جھکا کر بولی۔

"کمال ہے۔ تمہارے چہرہ سے تو یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہوگی کتنے دن ہوئے شادی کو"

زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ ہوا ہوگا"

"کیا" کمال اچھل پڑا" ایک مہینے میں چار بچے"

"میرے تھوڑی ہیں" رخسانہ نے سادگی سے بتایا" ندیم صاحب کی پہلی بیوی کے ہیں "

"لاحول ولا قوۃ۔ تم نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا تھا" کمال نے اطمینان کی سانس لی" تمہارے ماں باپ کیا اندھے تھے کہ انہوں نے ایک بیوی کی موجودگی کے باوجود تمہاری شادی ندیم سے کر دی "

"بیوی موجود نہیں تھی نا" رخسانہ نے بتایا۔

"مر چکی تھی" کمال نے تیزی سے کہا" بات تو ایک ہی ہے"

"نہیں مری بھی نہیں تھی"

"تو پھر"

"طلاق لے کر والدین کے گھر چلی گئی تھی"

"تو یہ مزید اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی شریف عورت ندیم کے ساتھ گذارا نہیں کر سکتی" کمال نے جوش کے ساتھ کہا۔

"میں نے بتایا نا یہ حالات کی مجبوری تھی"

"میں اس مجبوری کو ختم کر دوں گا۔ تمہیں ندیم سے طلاق کا مطالبہ کرنا پڑے گا"

"وہ نہیں دیں گے"

"تو میں اسے جان سے مار دوں گا" کمال مٹھیاں کس کر بولا۔

"مجھے حاصل کرنے کے لئے آپ قتل جیسا سنگین جرم بھی کر سکتے ہیں"

"کیوں نہیں، تمہیں کیا معلوم رخسانہ ڈارلنگ کہ تمہاری خاطر زمین کا سینہ چیر سکتا ہوں، آسمان کے تارے توڑ کر لا سکتا ہوں، اپنی تمام دولت اپنی زندگی اپنا سب کچھ تم پر نچھاور کر سکتا ہوں" کمال بڑے جوش میں بول رہا تھا۔

"اور وہ بھی تو گائیے" رخسانہ نے بڑے انداز سے شرما کر کہا۔

"کیا"

"وہ ہی گانا جو انداز میں دلیپ کمار نے گایا تھا" رخسانہ نے بتایا" تو کہے اگر تو جیون بھر میں گیت سناتا جاؤں"

"مگر مجھے گانا نہیں آتا" کمال نے جھینپ کر کہا۔

"تو پلے بیک گا دیں آج کل عام رواج ہے۔ انداز میں بھی دلیپ کمار خود تھوڑی ہی گا رہا تھا"

"تمہیں گانا سننے کا بہت شوق ہے"

"بہت"

"تو پھر آؤ کلب چلتے ہیں وہاں ڈانس بھی ہوتا ہے اور گانا بھی"

"آپ مجھے کلب لے جائیں گے"۔ رخسانہ نے چونک کر پوچھا

"کیوں نہیں"

"آپ سچ مچ مجھے کلب لے جائیں گے" رخسانہ مسرت سے چیخی۔

"ہاں ہاں بھئی۔ ابھی اسی وقت"

اور یہ سنتے ہی رخسانہ نے ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"ارے ارے" کمال گھبرا گیا "یہ کیا کر رہی ہو"؟

"رو رہی ہوں" سسکیاں بھرتے ہوئے رخسانہ بولی۔

"مگر کیوں۔ کیا میری کوئی بات ناگوار لگی ہے" کمال نے پوچھا، رخسانہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر" کمال نے پھر پوچھا۔

یہ ہی بات ایک مرتبہ مجھ سے ایک اور صاحب نے بھی کہی تھی"

"اچھا پھر کیا ہوا"

"پھر میں کپڑے بدل کر انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آئے۔ دوسرے دن اخبار میں پڑھا کہ کار کے حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا"

رخسانہ نے جواب دیا اور زور زور سے رونے لگی۔

"تو تمہیں اس وقت ان کی یاد کیوں آئی۔ کیا ان سے محبت کرتی تھیں"

"نہیں" رخسانہ نے سسکیوں پر آتے ہوئے کہا "مجھے یونہی خیال آیا کہ ان کے مرنے کے دو سال بعد آپ نے کلب چلنے کی دعوت دی ہے۔ اگر آپ کا بھی انتقال ہو گیا تو پتہ نہیں یہ بات سننے کے لئے مجھے کتنے سال انتظار کرنا پڑے گا"

"اوہ" کمال ہنسنے لگا۔ "تم گھبراؤ نہیں۔ میرا ابھی مرنے کا کوئی پروگرام

نہیں ہے۔"

"سچ مچ" رخسانہ نے جلدی سے آنسو پوچھ لئے "کیا اللہ میاں سے آپکی براہ راست بات ہو چکی ہے۔"

"یہ ہی سمجھ لو" کمال نے قہقہہ لگایا "اچھا شاباش اب تم جلدی سے جاکر منہ ہاتھ دھولو پھر ہم کلب چلتے ہیں۔"

"آپ یہاں انتظار کریں میں ابھی آئی" رخسانہ نے کسی ننھی بچی کی طرح اچھل کر دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

کمرے میں ٹیپ ریکارڈ پر کسی مغربی آرکسٹرا کی تیز اور کان کے پردے پھاڑنے والی بے سُری آوازیں گونج رہی تھیں۔ نادرہ چست پتلون اور قمیص پہنے پورے کمرے میں کولہے مٹکاتی پھر رہی تھی۔ ندیم اندر داخل ہوا اور خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آپ کو ٹوئسٹ ڈانس کرنا آتا ہے" نادرہ نے ندیم کے سامنے کھڑے ہو کر مٹکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا" ندیم نے پوچھا۔ حالانکہ اس نے سن لیا تھا۔

"ڈانس۔ یہ جو میں کر رہی ہوں" نادرہ نے کچھ اور بلند آواز سے کہا۔

"مر رہی ہوں" ندیم جیسے کان پہ ہاتھ رکھ کر سننے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "کیا مطلب میں سمجھا نہیں"

"کیا میری آواز آپ کو سنائی نہیں دے رہی ہے" نادرہ نے اس مرتبہ چیختے ہوئے پوچھا۔

"ندیم نے صوفے سے اُٹھ کر ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آف کر دیا۔

"ہاں اب کہیے آپ کیا کہہ رہی تھیں" اس نے پوچھا۔

"میں پوچھ رہی تھی آپ کو ٹوئسٹ ڈانس آتا ہے"۔ "کیا یہ کوئی نیا مضمون

میٹرک کے کورس میں شامل کر لیا گیا ہے" ندیم نے سادگی سے کہا۔

نادرہ ہنسنے لگی۔ "اگر وہ مولوی صاحب جو بچپن میں مجھے قاعدہ پڑھانے آتے تھے، یہ بات کہتے تو درست تھا" وہ بولی "مگر آپ تو نئے زمانے کے گریجویٹ ہیں۔ آپ کو تو اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیئے"

"آپ کو نماز پڑھنا آتی ہے" ندیم نے اچانک سوال کیا۔

"واہات" نادرہ نے منہ پھاڑ کر ندیم کی طرف دیکھا "نماز کا ڈانس سے کیا تعلق ہے"

"کچھ نہیں۔ میں نے یونہی ایک سوال پوچھا ہے۔ آتا ہو تو بتا دیجئے"

"نہیں" نادرہ برا سا منہ بنا کر بولی "مجھے نہیں آتی نماز۔"

"اگر کانونٹ اسکول کے وہ عیسائی ماسٹر صاحب جو آپ کو دینیات پڑھاتے ہیں۔ یہ بات کہتے تو درست تھا" ندیم نے جواب دیا "مگر آپ تو ماشاءاللہ ایک مسلمان گھرانے کی بیٹی ہیں۔ آپ کو تو اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیئے"

نادرہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ "یہ آپ نے مجھ پر طنز کیا ہے" وہ بولی۔ اس کی نگاہوں میں غصہ کی چمک تھی۔

"بالکل نہیں۔ میں آپ کے والد صاحب کا ملازم ہوں۔ ملازموں میں جواب دینے کی ہمت نہیں ہوتی طنز کیا کریں گے" نادرہ یا تو غصہ میں تھی یا ایک دم قہقہہ مار کر ہنسنے لگی "پتہ نہیں کیوں" اس نے عجیب انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے آپ پر غصہ آتے آتے رہ جاتا ہے۔ آپ اس کی وجہ بتا سکتے ہیں"

"ممکن ہے رحم آجاتا ہو"

"رحم نہیں پیار" نادرہ ندیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "وہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا کہ ان کو آتا ہے۔ پیار پر غصہ ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے۔ آپ نہ جانے کیوں مجھے اتنے اچھے لگتے ہیں کہ جی چاہتا ہے بس دیکھے ہی جاؤں"

"میں دو بجے آیا تھا" ندیم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "اور اس وقت پانچ

بج کر سات منٹ ہو رہے ہیں. ساڑھے تین بجے آپ شاپنگ کر کے واپس آئیں اور اس کے بعد سے ٹیپ ریکارڈ پر اچھل کود شروع کر دی. کیا آج پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"میں تو دل و جان سے پڑھنا چاہتی ہوں مگر آپ موقع ہی نہیں دیتے۔"

"خیر یہ بھی میرا ہی قصور سہی" ندیم نے کہا "چلئے تو اب کتابیں نکال لیئے جلدی سے"

"کتابیں. وہ کس لیئے؟"

"پڑھنے کے لیئے"

"مگر میں تو آپ کو پڑھنا چاہتی ہوں" نادرہ نے جواب دیا "اور آپ ہیں کہ کسی ممنوعہ کتاب کی طرح سر بند ہیں کسی طرح کھلتے ہی نہیں۔"

"میں وہ کتاب ہوں نادرہ صاحبہ جس کے تمام ورق سادے ہیں۔"

"تو پھر میں ان پر اپنی محبت کی داستان لکھ دوں گی۔"

"آپ کو لکھنا آتا ہے؟" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "ذرا لایئے تو اپنی کاپی میں اردو املا بولتا ہوں. آپ لکھ کر دکھا دیئے۔"

"آپ مجھے بچی سمجھتے ہیں جو اس طرح بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں" نادرہ نے کچھ بُرا مان کر کہا۔

آخر آپ چاہتی کیا ہیں" ندیم نے جیسے عاجز آکر پوچھا۔

"میں آپ کو چاہتی ہوں" نادرہ ایک دم بڑی جذباتی ہو گئی اس نے ندیم کے قریب آکر اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔

"میں چاہتی ہوں آپ مجھ سے محبت کریں. صرف مجھ سے جب میں آپ کی طرف دیکھوں تو آپ کا دل دھڑکنے لگے۔"

"اور بلڈ پریشر بڑھ گیا تو" ندیم نے آہستہ سے کہا۔

"اور جب میں آپ کے سامنے سے گذروں" نادرہ اسی جذباتی لہجہ میں

بول رہی تھی "تو آپ میرے راستہ میں نگاہوں سے پیار کے پھول بچھاتے چلے جائیں"۔

"گویا تمہیں ٹیوٹر کی نہیں مالی کی ضرورت ہے"

"پھر جب میں آپ کے پاس آؤں تو آپ میری مدھ بھری آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر مجھے محبت کے نغمے سنائیں اور جب میں آپ سے دور ہوں تو وہ ہی نغمے آپ کے ہونٹوں پر برہا کے گیت بن جائیں اور جب ہم چاند کی چاندنی اور تاروں کی چھاؤں میں اس ظالم سماج کی نگاہوں سے چھپ کر ایک دوسرے سے ملیں تو آپ مجھے بے اختیار اپنی آغوش میں لے کر کہیں. . . . "

"نادرہ" ندیم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی" نادرہ نے آنکھوں میں ابھرتے ہوئے سرخ ڈوروں اور گہری سانسوں کے ساتھ کہا۔

"ایک کپ چائے پلاؤ گی"۔

"ضرور پلاؤں گی" نادرہ روانی میں کہہ گئی پھر ایک دم چونک کر ندیم سے الگ ہوتے ہوئے بولی "یہ کیا بدمذاقی ہے"

"چائے پینا بدمذاقی ہے" ندیم نے پوچھا۔ اس کی نظریں بلا ارادہ دروازے کے ہلتے ہوئے پردے کی طرف اٹھ گئیں۔ گلابی ساڑھی کی ایک جھلک یہ بتانے کے لئے کافی تھی کہ وہاں رخسانہ کھڑی ہے۔

"تم نے سنا نہیں نادرہ ڈارلنگ" ندیم ایک دم چہکتے ہوئے لہجہ میں بولا۔ "چائے سے چاہ بڑھتی ہے"۔

"کیا" نادرہ اچھل پڑی "کہیں میرے کان مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں۔ ابھی کیا کہا تھا آپ نے"

"نادرہ ڈارلنگ" ندیم نے بڑے رومانی انداز سے کہا۔

"ایک بار پھر کہئے" نادرہ نے جیسے مدہوش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

"نادرہ ڈارلنگ۔ تم میری زندگی ہو، میری روح ہو۔ میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا" ندیم بڑے جذباتی لہجہ میں بولا۔

"آہ کتنے میٹھے بول ہیں جیسے کوئی میرے کانوں میں شہد گھول رہا ہو"۔۔۔ نادرہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں "آپ ایک پیالی چائے کی بات کرتے ہیں ان پیار بھری باتوں کے لئے اپنا سب کچھ آپ کے قدموں میں نچھاور کر سکتی ہوں"۔

رخسانہ نے یوں منہ بنایا جیسے اس نے کونین کی کڑوی گولی نگل لی ہو۔ باتھ روم اتفاق سے نادرہ کے کمرے کے برابر ہی تھا۔ رخسانہ منہ ہاتھ دھونے کے لیئے نکلی تو نادرہ کے کمرے سے گذرتے ہوئے اس نے ندیم اور نادرہ کے باتیں کرنے کی آواز سنی اور نہ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ اس نے پردے کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ نادرہ ندیم کی گردن میں باہیں ڈالے کھڑی ہے۔۔۔ بے اختیار اس کے دل میں نادرہ کے لئے شدید نفرت کا احساس پیدا ہوا۔ تو یہ عشق و محبت کا کورس پڑھا جا رہا ہے اس نے دانت پیستے ہوئے زیر لب کہا۔

"آپ بیٹھیں میں ابھی خانساماں سے چائے کے لیئے کہہ کر آتی ہوں" نادرہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

ندیم کو خطرہ ہوا کہ وہ کہیں رخسانہ کو نہ دیکھ لے۔

"پھر تو بہت دیر ہو جائے گی،" اس نے جلدی سے کہا نادرہ پردے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"اچھا تو میں خود بنا کر لاتی ہوں۔ نادرہ نے ندیم کی طرف گھوم کر بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا" آج میں آپ کو اپنے ہاتھ کی چائے پلاؤں گی"۔

"ارے نہیں، آپ کیوں زحمت کرتی ہیں۔"

"یہ زحمت نہیں ندیم ڈیئر۔ آج آپ نے میری محبت قبول کر کے مجھے

مسرت کا وہ بے پایاں احساس بخشا ہے کہ چائے بنانا تو کیا آپ مجھ سے اپنے جوتے بھی صاف کروائیں تو مجھے اس میں بھی ایک روحانی خوشی محسوس ہوگی۔"

رخسانہ کو غصہ آگیا۔ اس نے اپنی ساڑھی سے بروچ کھول کر اس کی نوکیلی پن ہاتھ میں پکڑی۔ نادرہ پردے کے بالکل قریب اس کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔ تو تجھے جوتے صاف کرتے ہوئے روحانی خوشی ہوگی۔ اس نے دل ہی دل میں کھولتے ہوئے کہا بڑی آئی وہاں سے چڑیل جوتے صاف کرنے والی۔

"مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟" ندیم کہہ رہا تھا "ہم لوگ کہیں باہر گھومنے کیوں نہ چلیں مثلاً کلب چلیں چائے بھی پی لیں گے اور تفریح بھی ہوجائیگی"

"کلب..... ونڈر فل....." نادرہ ایک مرتبہ تو خود ہی خوشی سے اچھلی تھی مگر ونڈر فل کا فل اس کے منہ سے نکلتے ہی رخسانہ کا ہاتھ بھی چل گیا۔ اور نادرہ دوسری مرتبہ پن چبھنے کی شدید تکلیف سے اچھلتے ہوئے کود پڑی۔ رخسانہ ایک جست میں باتھ روم کے اندر تھی۔

"کیا ہوا" ندیم نے زبردستی چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ رخسانہ کی حرکت دیکھ چکا تھا۔

مگر نادرہ جواب دینے کے بجائے ایک ہاتھ کمر پر رکھے طرح طرح کے منہ بناتے ہوئے پردے کے پیچھے اور برآمدے میں ادھر ادھر جھانک کر اس ناگہانی افتاد کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ آپ بار بار پیچھے گھوم کر کیا دیکھ رہے ہیں" نادرہ نے چائے کی پیالی ندیم کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا "کہیں آپ کو رشک تو نہیں آرہا ہے کہ

رخسانہ کمال بھائی کے ساتھ کلب کیوں آئی ہے۔"

"اچھا نادرہ فرض کرو کہ میں تم سے شادی کرلوں" ندیم نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"تو آپ مجھ سے فرضی شادی کرنا چاہتے ہیں" نادرہ نے شرارت سے جواب دیا۔

"او ہو بھئی میں ایک بات کہہ رہا ہوں فرض کرو میری اور تمہاری شادی ہوگئی ہے" ندیم بولا "تو کیا تم مجھے چھوڑ کر دوسرے مردوں کے ساتھ سیر و تفریح کرتی پھروگی"

"بالکل نہیں" نادرہ نے فوراً جواب دیا "مگر ہم اتنی اچھی بات فرض کیوں کریں۔ سچ مچ شادی ہی نہ کرلیں۔"

"وہ تو خیر ہم کر ہی لیں گے مگر میں سوچ رہا تھا کہ ذرا اس رخسانہ کو دیکھو سیٹھ صاحب نے اسے کمال صاحب کے ساتھ کلبوں میں گھومنے پھرنے کو تو سکریٹری نہیں بنایا ہے۔"

"تو اس میں نقصان بھی کیا ہے" نادرہ نے ہنس کر کہا "ممکن ہے اس نے کمال بھائی کو پسند کرلیا ہو"

"بات تو یہ ہی ہے کہ اب اُسے کسی کو پسند ناپسند کرنے کا حق نہیں رہا۔"

"وہ کیوں"

"اس کی شادی ہوچکی ہے۔"

"اچھا" نادرہ نے حیرت سے پوچھا "کس کے ساتھ"

"میرے ساتھ"

"کیا" نادرہ نے چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھ کر ندیم کو گھورا۔

"یہ ایک مجبوری تھی" ندیم نے بڑی افسردگی کے ساتھ بتایا "مگر میں جانتا ہوں تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح مجھے ہی قصوروار ٹھہراؤ گی۔ مجھے ہی مجرم سمجھو گی۔"

"یقینی طور پر" نادرہ تیزی سے بولی "آخر آپ نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی۔ آپ کو کیا حق تھا کہ ......"

"کہ شادی شدہ ہوتے ہوئے تم سے محبت کرنے لگوں" ندیم نے بات کاٹی۔

"جی نہیں" نادرہ نے کچھ اور بگڑتے ہوئے کہا "کہ ایک ایسی عورت کی خاطر جو آپ کی بیوی ہونے کے باوجود بیوفائی کر رہی تھی۔ اتنے دن تک میری محبت قبول کرنے سے ہچکچاتے رہیں۔ میں اب سمجھی ہوں کہ آپ جو مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے اس کی وجہ کیا تھی۔ میں پوچھتی ہوں کہ اپنے آپ پر ظلم کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا کہ ایک ہرجائی بیوی کے لئے آپ اپنے ارمانوں اور آرزوؤں کا گلا گھونٹتے رہیں۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ پہلی فرصت میں اسے طلاق دے دیں"

"نادرہ" ندیم نے بڑی حیرت سے کہا "تو تم یہ جانتے ہوئے کہ میں شادی شدہ ہوں۔ میری محبت قبول کرنے کے لئے تیار ہو"

کیوں نہیں" نادرہ نے فوراً جواب دیا۔ "ایک بیوقوف عورت اگر ہیرے کو پتھر سمجھتے ہوئے سرِ راہ پھینک دے تو میں اس کی حماقت سے فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں۔ میں کیوں نہ اسی ہیرے کو اٹھا کر اپنے گلے کی زینت بنا لوں"

"اوہ نادرہ تم کتنی سمجھ دار ہو۔ کاش میں نے پہلی مرتبہ ہی تم سے شادی کی ہوتی۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس دنیا میں ایک ہستی ایسی بھی موجود ہے جو

مجھے ہیرا سمجھتی ہے۔ وہ ہیرا نہیں جو نواب گنج میں ہمارے گھر دودھ لایا کرتا تھا بلکہ وہ ہیرا جو بادشاہوں کا تاج اور ملکہ کی دال ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے کہ کسی ملکہ کے گلے کا ہار بنا کرتا ہے۔"

"مگر ایک شرط ہے" نادرہ نے کہا۔

"وہ کیا۔ تمہارے ساتھ شادی کرنے کے لئے مجھے ہر شرط منظور ہے۔"

"آپ کو رخسانہ کو طلاق دینا پڑے گی۔"

اور اگر اس نے نہیں لی تو"

نہ لینے کا کیا سوال ہے" نادرہ نے بگڑ کر کہا۔ "اسے لینا پڑے گی۔ ملا"

"تمہیں معلوم نہیں وہ بڑی مغرور لڑکی ہے" ندیم نے بتایا "شادی کے بعد میں نے اسے امی کے کہنے پر منہ دکھائی میں ایک سونے کی انگوٹھی دینا چاہی حالانکہ وہ اس وقت دلہن بنی بیٹھی تھی۔ مگر اس نے وہ انگوٹھی میرے منہ پر مار دی اور گھونگھٹ الٹ کر بولی کہ مجھے آپ کی کوئی چیز نہیں چاہیئے ضرورت ہوگی تو بازار سے خود خرید لاؤں گی۔"

"مگر طلاق کا انگوٹھی سے کیا تعلق۔"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں" ندیم نے سر ہلایا "مگر اتنا جانتا ہوں کہ رخسانہ حد سے زیادہ ضدی ہے۔ وہ کہہ چکی ہے کہ میری دی ہوئی کوئی چیز اسے نہیں چاہیئے اب ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر وہ طلاق لینے پر ہرگز تیار نہیں ہوگی اور پھر سنا ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی جاتی ہیں مجھے ایک ہی کی امید نہیں تین طلاقیں ایک ساتھ تو وہ قیامت تک نہیں لے گی۔"

"کیسے نہیں لے گی" نادرہ نے ایک دم کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "ذرا آئیے تو میرے ساتھ۔"

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا غضب کرتی ہو" ندیم گھبرا کر بولا "کلب میں ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"میں اتنی بیوقوف نہیں ہوں" نادرہ نے جواب دیا "آدمی بات سے مرتا ہو تو زہر دینے کی کیا ضرورت ہے. ایسی میٹھی چٹکیاں لوں گی کہ وہ خود سے ہاتھ جوڑ کر طلاق مانگے گی۔"

"سچ کہہ رہی ہو" ندیم نے طرطرے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بس آپ دیکھتے جایئے" نادرہ نے کمال اور رخسانہ کی میز کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

یہ دونوں قریب پہنچے تو کمال نے یوں چونک کر دیکھا جیسے اب پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہو۔

"اوہ ہیلو ندیم صاحب" وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولا "آپ لوگ بھی آئے ہوئے ہیں۔"

"یہ نادرہ صاحبہ پکڑ کر لے آئیں" ندیم نے یوں کہا گویا عذر پیش کر رہا ہو۔

"جی ہاں کہیں آپ ندیم صاحب کو عاقل بالغ سمجھنے لگیں" رخسانہ نے کمال سے کہا "یہ بیچارے ابھی تک دوسروں کی انگلی پکڑ کر ہی چلتے ہیں۔"

"ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں کمال بھائی" نادرہ نے کہا۔

"ضرور ضرور" کمال نے بظاہر خوش اخلاقی سے کہا "چائے منگواؤں آپ لوگوں کے لیئے۔"

"ابھی آپ ندیم صاحب کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں" نادرہ نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آیئے کمال صاحب ہم لوگ رقص کریں" رخسانہ نادرہ کی بات نظر انداز کر گئی۔

کمال جیسے اشارہ ہی کا منتظر تھا. فوراً اٹھ گیا. دونوں ڈانس فلور پر پہنچ گئے.

"دیکھا تم نے کتنی چالاک ہے" ندیم نے کہا۔
"کوئی بات نہیں۔ میں بھی پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ اٹھیے ہم بھی ڈانس کریں گے۔"
"مگر مجھے ڈانس نہیں آتا۔"
"بس آپ میرے قدموں کے ساتھ قدم اٹھاتے رہیں" نادرہ نے ندیم کا ہاتھ کھینچ کر کرسی سے کھڑا کر دیا۔
کلب کا آرکسٹرا اس وقت شاید کسی کی فرمائش پر والز کی دھن بجا رہا تھا جو مغربی تہذیب کا نسبتاً شریفانہ ڈانس ہے۔
ڈانس فلور ناچتے ہوئے جوڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ نادرہ اور ندیم بھی اسی ہجوم میں شامل ہو گئے۔ کمال اور رخسانہ دوسری طرف تھے۔
"دیکھا" کمال نے رخسانہ کے کان میں سرگوشی کی "ندیم کس ڈھٹائی سے نادرہ کو لے کر ہماری میز پر آ گیا تھا۔"
"اچھا۔ میں نے غور نہیں کیا" رخسانہ بولی "میں اس وقت دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔"
"وہ یہ جتانا چاہتا ہے کہ اسے آپ کی رتی برابر بھی پروا نہیں ہے"
"جی ہاں۔ انتہائی کنجوس ہے ہر بات رتی ماشوں میں ہی کرتا ہے"
رخسانہ نے تائید کی اس کی نظریں نادرہ پر جمی ہوئی تھیں۔
"اس کے برعکس مجھے دیکھیے" کمال کا چہرہ جھک کر بالکل رخسانہ کے کان سے آ لگا تھا "میں آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں اتنی محبت کرتا ہوں کہ . . . ."
چٹاخ . . . . . ایک ہلکی سی آواز آئی اور کمال کا سر بڑے زور سے رخسانہ کے سر سے ٹکرا یا۔
"یہ کون بدتمیز تھا" کمال نے جلدی سے گردن موڑ کر جھپٹ مارتے

والے کو دیکھنا چاہا۔ مگر سب اپنے اپنے طور پر مصروف تھے۔ ندیم ایک ہاتھ نادرہ کی کمر میں ڈالے جیسے تیرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

"آپ تو بڑا اچھا ڈانس کر لیتے ہیں" نادرہ حیرت سے کہہ رہی تھی۔

"میں نہیں نادرہ ڈارلنگ یہ تمہاری محبت رقص کر رہی ہے" ندیم نے جواب دیا۔ وہ کن انکھیوں سے کمال کو دیکھ رہا تھا جو چند لمحہ اپنا سر سہلانے کے بعد دوبارہ ڈانس کرنے لگا تھا۔

"آپ نے اپنی بے وفا بیوی کی بے غیرتی ملاحظہ کی۔ کمال بھائی سے ایسی چمٹی ہوئی ہے کہ بس" نادرہ نے بڑے شکایتی لہجہ میں کہا "اور ایک آپ ہیں۔ اتنا الگ الگ ڈانس کر رہے ہیں جیسے مجھ سے چھو بھی گئے تو جل جائیں گے۔"

"میں سچ مچ جل جاؤں گا۔ نادرہ ڈارلنگ" ندیم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "شمع کی مانند تمہارے اندر محبت کا وہ شعلہ بھڑک رہا ہے جو پروانوں کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ مجھے ذرا اس کی تپش کا عادی ہو جانے دو۔ پھر تمہیں کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

میری محبت شمع کی طرح جلانے والی نہیں جلانے والی ہے" نادرہ نے جذباتی انداز سے کہا "اس میں آگ نہیں چاندنی کی ٹھنڈک ہے تم میرے قریب تو آ کر دیکھو ندیم۔ میں تمہیں محبت کی وہ سرور انگیز شراب پلاؤں گی کہ تم اپنی بے وفا بیوی کے دیئے ہوئے تمام غم بھول جاؤ گے۔"

ندیم نے دیکھا کمال اور رخسانہ رقص کرتے ہوئے اسی جانب آ رہے ہیں۔ وہ نادرہ کے کچھ اور قریب ہو گیا۔

"میرے اتنے قریب آ جاؤ ندیم کہ درمیان میں کوئی فاصلہ باقی نہ رہے۔" نادرہ کہہ رہی تھی "اتنے قریب کہ رخسانہ کسی بھولے ہوئے خواب کی طرح تمہارے ذہن سے نکل جائے اور قریب آؤ۔ اور قریب میں تمہیں اپنی پلکوں

کے دریچوں میں بند کر کے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں...... اوئی مر گئی"
نادرہ نے بڑی مشکل سے دانتوں میں ہونٹ دبا کر نکلنے والی چیخ کو روکا اس کا ہاتھ اپنے کولہے پر رینگ گیا۔

"کیا ہوا ڈارلنگ" ندیم نے دور ہوتی ہوئی رخسانہ کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا پھر کسی بھڑ نے کاٹ لیا؟"

ٹھیک اسی وقت ارکسٹرا ایک آخری آواز نکال کر خاموش ہو گیا۔ ناچتے ہوئے جوڑے تالیاں بجاتے ہوئے اپنی اپنی میزوں کی طرف بڑھنے لگے۔ نادرہ رخسانہ کی پن کا دو مرتبہ شکار ہو چکی تھی۔

"آپ چلئے" اس نے ندیم سے کہا" میں ٹوائلٹ ہو کر ابھی آتی ہوں"

"کیوں خیریت کیا مجھ سے ہاتھ دھونے کا ارادہ ہے" ندیم نے شوخی سے کہا۔

"جی نہیں بلکہ ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑنے کا خیال ہے" نادرہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا پھر بولی" ذرا دیکھنا چاہتی ہوں کہ بھڑ نے کہاں ڈنگ مارا ہے"

"میں بھی ساتھ چلوں" ندیم نے پوچھا۔

"کیوں" کچھ عجیب سے لہجہ میں نادرہ نے سوال کیا۔

"بھڑ کا ڈنگ بہت باریک ہوتا ہے ممکن ہے تمہیں نظر نہ آئے"

"خلش خود زخم کا پتہ بتا دیتی ہے"

"اس وقت تو تم پورا شعر کہہ گئیں"

جی ہاں آپ کی محبت نے مجھے شاعر بنا دیا ہے"

"خوب" ندیم مسکرایا" یہ محبت بھی کیا چیز ہے مجھے رقاص بنا دیا اور تمہیں شاعر"

"پھر تو فوراً ایک تھیٹریکل کمپنی کھول لیں" رخسانہ نے قریب سے

گذرتے ہوئے کہا "ذرا دنیا بھی تماشا دیکھ لے گی۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں" نادرہ نے پلٹ کر جواب دیا "بشرطیکہ آپ ویمپ کا کیریکٹر قبول کرلیں۔"

مگر رخسانہ نے شاید سنا بھی نہ ہو وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی

"یہ اس کی خاص عادت ہے" ندیم نے نادرہ سے ہمدردی جتائی۔ "وار کر کے ٹھہرتی نہیں ہے۔"

"میں ذرا ٹوائلٹ ہو آؤں پھر اس کا دماغ درست کروں گی" نادرہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا "پتہ نہیں یہ کلب کے اندر بھڑ کہاں سے آگئی تھی"

"اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے آدمیوں میں ڈنک مارنے کے لئے اس نے صرف تمہیں ہی پسند کیا" ندیم بڑی سادگی سے بولا "یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تم سے محبت کرنے والا میں تنہا نہیں ہوں میرے رقیب بھی ہیں۔"

"خدا ایسے پرستاروں سے بچائے جو ڈنک مار کر محبت کا اظہار کرتے ہیں۔" نادرہ نے کہا اور ٹوائلٹ کی طرف چل دی۔

ندیم کمال کی میز کی طرف بڑھ گیا۔ "نادرہ ذرا ٹوائلٹ تک گئی ہیں" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ندیم" کمال نے تلخ لہجہ میں کہا "کیا آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ آپ کی بیوی میرے ساتھ کلب آئی ہیں۔"

"ہرگز نہیں" ندیم نے فوراً جواب دیا "آپ تو کلب کی بات کر رہے ہیں یہ آپ کے ساتھ گرجا بھی چلی جائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"گرجا" کمال چونک کر بولا "کیا مطلب"

"ظاہر ہے جب تک میں طلاق نہ دے دوں اسلامی شریعت کے مطابق آپ ان سے شادی کر نہیں سکتے۔ گرجا ہی جانا پڑے گا۔"

"مسٹر ندیم آپ اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"بہت بہتر پیچھے ہوا جاتا ہوں" ندیم نے اپنی کرسی کچھ پیچھے ہٹالی۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں" کمال نے چیں بہ جبیں ہوتے ہوئے کہا

"آپ میری بیوی اڑا رہے ہیں کم سے کم مجھے مذاق اڑانے کا حق تو دیجئے" ندیم نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہنہ بیوی" رخسانہ نے منہ بگاڑا "بیوی کا خیال ہوتا تو آپ دوسری لڑکیوں کو بغل میں لئے نہ پھرتے"

"آگ لگانے والوں کو آشیانہ جلنے پر ماتم کرنا زیب نہیں دیتا" ندیم نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"جی ہاں" کمال بڑے چبھتے ہوئے لہجہ میں بولا "اور آپ کو بھرے کلب میں ایک شریف آدمی کے چپت مارنا بہت زیب دیتا ہے۔"

"میں نے چپت ماری" ندیم نے بڑی حیرت سے پوچھا "کس کے؟"

"میرے اور کس کے"

"آپ نے مجھے چپت مارتے ہوئے دیکھا تھا"

"کلب میں کسی اور کو مجھ سے اتنی پرخاش نہیں ہوسکتی سب میرے دوست ہیں۔"

"ممکن ہے آپ نے پہلے کسی اور دوست کی بیوی پر بھی ہاتھ صاف کیا ہو"

"آپ میرے کیریکٹر پر حملہ کر رہے ہیں" کمال نے غصہ میں دانت پیستے ہوئے کہا "رخسانہ نے خود آپ کو چپت مارتے دیکھا تھا اور یہ اس وقت بھی اس بات کی گواہ ہیں کہ شرافت کے جامے سے کون باہر ہو رہا ہے۔"

"پہلے آپ شرافت کا جامہ تو پہن کر آیئے تب ہی فیصلہ ہوسکتا ہے کہ کون باہر ہو رہا ہے" ندیم نے کمال کے ٹیڈی لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

جواب دیا۔

"گویا آپ نے چپت نہیں ماری۔ میں اور رخسانہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"یونہی سہی چپت میں نے ماری تھی، پھر آپ کیا کرلیں گے۔"

"آپ ذرا باہر آیئے" کمال نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"چلئے" ندیم بھی اٹھ گیا۔

کمال پھنپھناتا ہوا کلب کے باہر لان میں آگیا۔ اس کے برعکس ندیم بالکل پرسکون تھا۔ رخسانہ کچھ گھبرائی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کمال یا ندیم کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"تو آپ اقرار کرتے ہیں کہ میرے چپت آپ نے ماری تھی" کمال نے آستینیں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں ماری تھی۔ اور میرے ہاتھ میں کھجلی ہوئی تو پھر ماروں گا۔"

"اب بھی موقع ہے اگر آپ معافی مانگ لیں تو میں درگزر کرسکتا ہوں" کمال نے کہا۔

"معاف کیجئے میں قیامت تک آپ سے معافی نہیں مانگ سکتا اور آخر کیوں مانگوں۔ مجھے ضرورت کیا ہے مانگنے کی۔" ندیم بولا۔

"کیا خیال ہے" کمال نے رخسانہ کی طرف دیکھا "معافی تو ایک طرح سے انہوں نے مانگ لی ہے۔ بات ختم کی جائے۔"

"لاحول ولاقوۃ" ندیم رخسانہ کے کچھ کہنے سے پہلے بول پڑا "یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ میرے ہاتھ سے مار کھائے بغیر باز نہیں آئیں گے۔"

"جی ہاں۔ آپ مارتے اور میں چپ چاپ برداشت کرلیتا" کمال کو پھر غصہ آنے لگا۔

"نہیں، خیر یہ توقع تو نہیں تھی۔ واویلا تو ضرور مچاتے" ندیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ارے جائیے۔ بڑے دیکھے ہیں مارنے والے"

"مجھے یقین ہے۔ ضرور دیکھے ہوں گے اور دیکھے ہی نہیں ہوں گے ان کے ہاتھ سے مار بھی کھائی ہوگی" ندیم نے جواب دیا "آپ کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔"

"بہت زبان چل رہی ہے۔ ابھی ایک ہاتھ دوں تو ساری شوخی ہوا ہو جائے گی" کمال نے گھونسا دکھایا۔

"چھوڑ دیار۔ کیوں ہنسی دلانے والی باتیں کر رہے ہو" ندیم نے یوں ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑا رہا ہو۔ "گھنٹہ بھر سے تو سوائے دھمکیاں دینے کے تم نے کچھ کیا نہیں ہے۔"

"تو یہ بات ہے۔ میں تو طرح دے رہا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی شامت ہی آئی ہے" کمال نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ تیزی سے اٹھا اور مکے کی صورت میں ندیم کی گردن پر نازل ہو

ندیم کے لئے یہ حملہ یا تو بالکل غیر متوقع تھا یا پھر اس نے دانستہ مدافعت سے گریز کیا۔ بہر حال بات کچھ بھی ہو نتیجہ اس گھونسے کا یہ ہی برآمد ہوا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا اوندھے منہ گھاس پر پڑا تھا۔

کمال نے ایک انداز حقارت سے اپنے رقیب کی طرف دیکھا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا رخسانہ کی طرف پلٹ ہی رہا تھا کہ ندیم شیر کی طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا اور گھونسا تان کر کمال کی طرف لپکا۔ کمال بالکل اس طرح جیسے کوئی پہلوان کسی کمزور حریف کو کھلاتا ہے۔ ایک طرف ہٹ گیا اور ندیم اپنے ہی زور میں دوبارہ لان کی گھاس کھا رہا تھا۔ وہ پھر اٹھا۔ اس مرتبہ کمال نے اس کا گھونسہ اپنے سیدھے ہاتھ سے روکا اور الٹے ہاتھ سے ایک زبردست تھپڑ ندیم کے

منہ پر رسید کیا۔ ندیم نے تین چار قلا بازیاں سی کھائیں۔ چند لمحہ تک گھاس پر پڑا ہانپتا رہا اور پھر ایک دم اٹھ کر کمال کی طرف جھپٹ پڑا۔ لگاتار دو تین گھونسے چلائے جو کمال نے گردن اور جسم کی ذراسی جنبش سے خالی دیئے اور جواب میں دانت کٹکٹا کے جو ایک گھونسا ندیم کے سینے پر مارا ہے تو ندیم ہائے کہہ کر وہیں گر گیا۔

رخسانہ فق چہرہ کے ساتھ یہ لڑائی دیکھ رہی تھی۔ ہر مرتبہ ندیم کے اٹھنے پر اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوتی اور ہر مرتبہ اس کے چوٹ کھانے پر اس کا رنگ کچھ اور سفید پڑ جاتا۔ ندیم ہائے کہہ کر گرا تو بالکل بے اختیار سی ہو کر کمال کی طرف لپکی اور اس سے پہلے کہ کمال اس کا مقصد سمجھ سکتا رخسانہ کا ہاتھ اٹھا اور ایک زناٹے دار تھپیڑ کمال کے گال کو سرخ کر گیا وہ ایک ہاتھ منہ پر رکھے حیرت سے رخسانہ کو گھورتا رہ گیا۔

اور پھر تھپیڑ مارتے ہی جیسے رخسانہ کو اپنی عجیب حرکت کا احساس ہو گیا ہو۔ اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے کمال کی طرف دیکھا۔

"مم...... معافی چاہتی ہوں" وہ ہکلائی "میں دراصل ندیم کو مارنا چاہتی تھی" یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹی اور تقریباً بھاگتی ہوئی کلب کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

تھپیڑ کی زور دار آواز شاید کیا یقیناً ندیم نے بھی سنی تھی۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر رخسانہ کو گیٹ کی طرف بھاگتے دیکھا اور زندہ باد کا نعرہ لگاتا ہوا ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"کتنے گھونسے مارے ہیں تم نے میرے چار یا پانچ" وہ کمال کو گھورتے ہوئے بولا۔

"کیوں کیا پیٹ نہیں بھرا اور کھانے کا ارادہ ہے" کمال نے بڑے تلخ لہجہ میں جواب دیا۔

"نہیں وہ سب کے سب مع سود واپس کرنا چاہتا ہوں" ندیم نے ایک دم ہاتھ چلا دیا۔

اور پھر بلاشبہ کمال حیرت زدہ رہ گیا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ کب کیا ہوا۔ ایک پہاڑ سا اسے اپنی گردن پر ٹوٹتے محسوس ہوا۔ اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کے باوجود وہ دور تک لڑکھڑاتا چلا گیا۔ ابھی سیدھا نہیں ہو سکا تھا کہ ندیم ایک جست میں اس کے سر پر جا پہونچا اور پھر تو تابڑ توڑ پانچ چھ گھونسے آتنی پھرتی سے لگے کہ کمال کو گننے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ وہ ایک طرف سے اٹھتا تو دوسری طرف لڑھک جاتا۔ آخری مکہ کھانے کے بعد اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کان دبا کر چپ چاپ گھاس پر پڑا رہے۔ ورنہ یہ کمبخت تو جان ہی نکال لے گا۔

کمال کی کار میں بیٹھے ہوئے رخسانہ نے بڑی حیرت سے ندیم کو گیٹ سے نکلتے دیکھا۔ وہ بڑا اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔ دروازہ کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ رخسانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کمال کہاں رہ گیا اور یہ ندیم کیوں اکڑ رہا تھا۔ وہ کار سے نیچے اتری۔ گیٹ کے قریب آکر دوسری طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بجلی کی تیز روشنی میں جو کلب کے لان میں دھوپ کی طرح پھیلی ہوئی تھی کمال نادرہ کے کندھے کا سہارا لئے لنگڑاتا ہوا گیٹ کی طرف آرہا تھا۔

رخسانہ نے کمرے میں قدم رکھا۔ ندیم نے کرسی سے اٹھتی ہوئی شہناز کو دوبارہ ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

"ارے بیٹھئے بھی" وہ کن آنکھوں سے رخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں آپ کو اپنا ایک خواب سناتا ہوں۔ بالکل تازہ۔ کل رات ہی

یکھا ہے"۔

"رہنے دو مجھے تمہارے اوٹ پٹانگ خوابوں سے کوئی دلچسپی نہیں
ہے" شہناز بیزاری سے بولی۔

"سنیئے تو سہی" ندیم نے بڑے مزے سے کہا "کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے
ں کسی لق و دق صحرا میں تنہا سفر کر رہا ہوں۔ اچانک پتہ نہیں کہاں سے ایک
ندھی کا بگولا سا اڑتا ہوا آیا۔ غور سے دیکھا تو ایک دیونی اپنے بڑے بڑے
نت نکالے مجھے گھور رہی تھی۔ کیا بتاؤں شہناز اتنی خوفناک تھی اس کی صورت
خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چیچک زدہ چہرہ آنکھیں جیسے
ں کے دیدے بالکل خون کی طرح سرخ اور کیچڑ اتنی بھری ہوئی کہ بہہ بہہ
ر گالوں پر آ رہی تھی۔ خاک آلود بال جن میں منوں ریت پڑی تھی۔ تمام
ہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے منہ پھاڑ کر ایک جماہی لی اور
عاذ اللہ اس کا حلق تھا کہ کوئی پہاڑی سرنگ جماہی لے کر منمنائی میں بھیں
اں رے سانتھ چلوں گیں"

شہناز نے دزدیدہ نظروں سے رخسانہ کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا معاف کرو میں کوئی دیو ہوں۔ میرا تمہارا کیا ساتھ" ندیم
ر رہا تھا" مگر دیونی کی سمجھ میں کوئی بات کہاں آتی ہے۔ ایک دم مجھے ایسا
علوم ہوا جیسے بادل گرجا ہو۔ چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ٹھی ٹھی کر کے
ں رہی تھی بولی میں توں تماں رے سانتھ شادی کروں گیں۔ میں نے
میں سوچا آئی مصیبت بھلا کہاں دیونی کہاں آدم زاد۔ اتنے میں کیا دیکھتا
ں کہ بالکل اسی جیسا دیو منہ سے جھاگ اڑاتا بھاگا چلا آ رہا ہے۔ دیونی
سے میری شکایت کرنے لگی۔ دیں کھوں پیا نرے یہ آں دم زاد مجھ سیں
ادی کرناں چاہتا ہے۔ دیو دانت پیس کر مٹھیاں کستا ہوا میری طرف جھپٹا
ے تو میں نے کہا ہٹاؤ کون خواہ مخواہ کے لئے جھگڑا کرے مگر جب وہ کسی طرح

مانا ہی نہیں تو مجھے بھی غصہ آگیا اور پھر جو میں نے ہاتھ چلائے ہیں تو یقین کیجئے وہ خاک چاٹتا نظر آیا۔"

"پتہ نہیں کیا بے پر کی ہانک رہے ہو" شہناز نے اکتائے ہوئے لہجہ میں کہا "یہ کوئی خواب ہے۔"

"میں سب سمجھ رہی ہوں" رخسانہ بگڑی "آپ نہیں جانتیں یہ مجھے سنایا جا رہا ہے۔"

"یہ لیجئے" ندیم نے ہاتھ چلایا "وہ ہی بات ہوئی کہ تم تو مجھے چھیڑ دو گے میں آپ سے کب بات کر رہا تھا"

"اب یہ معاملات میری برداشت سے باہر ہو چکے ہیں" رخسا شہناز سے مخاطب ہوئی "آج ندیم صاحب نے کلب میں وہ حرکت کی ہے کہ میری جان سلگ کر رہ گئی۔"

"کیا پھر کوئی جھگڑا ہو گیا تم دونوں میں" شہناز نے پوچھا۔

"جھگڑا غنڈہ گردی کہئے آیا غنڈہ گردی" رخسانہ نے تیزی سے کہ "پہلے تو انہوں نے بھرے کلب میں کمال صاحب کے سر پر چپت ماری اور جب اس شریف آدمی نے احتجاج کیا تو بدمعاشوں کی طرح ہاتھا پائی پر آئے۔ اس بیچارے کو اس بری طرح مارا ہے کہ میں اب کیا بتاؤں۔ سوال یہ کہ آخر یہ کون ہوتے ہیں بُرا ماننے والے میری مرضی ہے خواہ کسی کے س گھوموں پھروں۔"

"مگر بات کیا ہوئی۔"

"بات کیا ہوتی میں آج چھٹی کے بعد کمال صاحب کے ساتھ کل چلی گئی تھی۔ بس سارا فساد اسی کا ہے۔ خود چاہے اس چڑیل نادرہ کے پڑھائی کے بہانے محبت کی پینگیں بڑھاتے رہیں تو کچھ نہیں۔"

"کیوں ندیم یہ میں کیا سن رہی ہوں" شہناز نے ڈانٹا "تمہیں نادرہ کا

رکھا گیا ہے یا بوائے فرینڈ"

"یہ اس کے ساتھ کلب بھی جاتے ہیں اور ڈانس بھی کرتے ہیں" رخسانہ نے شکایت کی۔

"ہاں جاتا ہوں۔ پھر آپ کو کیا" ندیم چڑ کر بولا۔

"کچھ نہیں میری بلا سے آپ سوسائٹی کی آوارہ تتلیوں کے ساتھ اڑتے پھریں۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔ میرا آپ سے واسطہ کیا ہے"

وہ انتہائی غصہ میں شہناز کی طرف گھومی۔

"اس نام نہاد شادی کے وقت یہ کہا گیا تھا کہ محض پولیس کی تحقیقات اور خواہ مخواہ کی پبلسٹی سے بچنے کے لئے ایسا کیا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ میں جب چاہوں یہ کاغذی رشتہ ختم کر سکتی ہوں۔ اب حالات بالکل معمول پر آگئے ہیں۔ پولیس نے کاغذات بھی واپس کر دیئے ہیں پھر اس ڈرامے کو جاری رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔" ندیم نے تیزی سے پوچھا۔

"میں اپنی آزادی چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آئندہ آپ کی صورت مجھے نظر نہ آئے۔ آپ اس زعم میں ہیں کہ آپ کی بیوی ہوں۔ اپنی بیجا اور بیجا خواہشات مجھ پر تھوپنے کی کوشش ترک کر دیں۔" رخسانہ نے انتہائی غصہ سے جواب دیا۔

"تو میں نے کب آپ کو باندھ رکھا ہے۔ میں کل صبح ہی کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ مگر آپ بھی یاد رکھیں کہ اب آپ دوبارہ میرے سامنے آنے کی کوشش نہ کریں۔"

"مگر مشکل یہ ہے" شریف نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا وہ شاید دیر سے یہ گرما گرمی سن رہا تھا "کہ تم دونوں کی باقاعدہ شادی ہو چکی ہے اور شادی

کا تعلق اس طرح نہیں ٹوٹ سکتا۔"

"تو پھر کس طرح ٹوٹ سکتا ہے" رخسانہ نے پوچھا۔

"یا تو ندیم تمہیں طلاق دے یا پھر تم عدالت میں خلع کا مقدمہ دائر کرو۔" شریف نے جواب دیا۔

"جب مجھے ان سے کوئی تعلق ہی نہیں کوئی دلچسپی ہی نہیں تو مجھے کیا ضرورت ہے طلاق دینے کی" ندیم بولا۔

"کیسے نہیں دیں گے۔ آپ کو طلاق دینا پڑے گی۔"

"ہرگز نہیں۔ آپ کو آزادی کی بہت خواہش ہے تو عدالت سے رجوع کیجئے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں شریف بھائی یہ صریحاً معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔"

"بھئی جب تم دونوں اس رشتے سے خوش نہیں ہو تو طلاق دے کیوں نہیں دیتے۔" شریف نے ندیم سے کہا۔

"میں کیوں دوں۔ یہ خود عدالت سے خلع کیوں نہیں حاصل کر لیتیں۔"

"تم رخسانہ کو بیوی کی حیثیت سے رکھنا چاہتے ہو۔"

بالکل نہیں۔ میں کیا ایسی بیوی کا اچار ڈالوں گا۔ جو مردوں کے ساتھ ناچتی پھرے۔"

"تو پھر دے کیوں نہیں دیتے طلاق۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں طلاق دینے کا رواج نہیں ہے۔ میں اپنی خاندانی روایت کیوں توڑوں۔"

"کیا تم ندیم کو اپنے شوہر کی حیثیت میں قبول نہیں کر سکتیں،" شریف نے رخسانہ سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ کوئی شریف لڑکی ایسے شوہر کو برداشت نہیں کر سکتی جو

آوارہ لڑکیوں سے دلچسپی رکھتا ہو" رخسانہ نے جواب دیا۔

"تو پھر تم عدالت سے خلع لے لو۔"

"مجھے مجبور کر دیا گیا تو یہ بھی کر گذروں گی۔ مگر میں پوچھتی ہوں کہ کیا اخلاق و شرافت اسی کا نام ہے۔ کب یہ بات طے ہوئی تھی کہ مجھے اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا۔" رخسانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہاں بھئی یہ بات تو ہے" شریف نے سوچتے ہوئے کہا "شادی کے وقت جو بات طے پائی تھی۔ اس کے مطابق تو تمہیں طلاق دے دینا چاہیئے۔"

ندیم کچھ دیر تک سکتے کے سے عالم میں رخسانہ کو آنسو بہاتے دیکھتا رہا

"میں بھی عجیب جذباتی آدمی ہوں" وہ بولا "میری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ کسی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اچھی بات ہے محترمہ رخسانہ کل صبح آپ کو تحریری طلاق نامہ مل جائے گا۔"

اور یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی بات سن کر رخسانہ کے آنسو رکے نہیں تھے۔ کچھ اور شدت سے بہنے لگے تھے۔

کمرے میں بلا کی تپش اور چاروں طرف دھواں گھٹا ہوا تھا۔ دروازے پر سرخ شعلے خوفناک اژدہوں کی طرح اپنی لال لال زبانیں نکالے کمرے کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شریف نے ایک جست میں دروازہ پار کیا۔ رخسانہ اپنے پلنگ پر بے خبر سو رہی تھی۔

"رخسانہ۔ رخسانہ" شریف نے اس کا کندھا پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ "جلدی اٹھو گھر میں آگ لگ گئی ہے۔"

رخسانہ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ شریف بُری طرح کھانسنے لگا تھا۔ کمرے میں بالکل اندھیرا تھا۔ مگر شعلوں کی لہراتی ہوئی چمک تپتا ہوا کمرہ اور چاروں طرف گھٹا ہوا دھواں رخسانہ کو آنِ واحد میں صورت حال سمجھانے کے لئے کافی تھا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور گھبرا کر چادر پھینکتی ہوئی ننگے پیر ہی بھاگنے لگی تھی کہ شریف نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"گھبراہٹ میں اوسان ہارنے کی ضرورت نہیں ہے" وہ مضبوط لہجہ میں بولا "یہ لو میرے ہاتھ میں پانی سے بھیگی ہوئی تولیہ ہے اُسے ناک اور منہ پر رکھ لو میں تمہیں اٹھا کر کمرے سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

رخسانہ نے ایک گیلی تولیہ شریف کے ہاتھ سے لی اور جلدی سے ناک پر رکھ لی۔ شریف نے بالکل کسی بچہ کی طرح اسے گود میں اٹھا لیا اور دروازے کی طرف لپکا۔ عین اس وقت جبکہ وہ ایک قدم کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ رخسانہ نے ایک جلتی ہوئی لکڑی کو کمرے کے اندر گرتے ہوئے دیکھا۔ اسے اپنے سر پر ایک چوٹ کا احساس ہوا اور تمام چہرے پر جیسے کسی نے مرچیں سی چھڑک دیں اور پھر اس کا ذہن دھوئیں کے گہرے مرغولوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

"شریف بھائی" باہر سے ندیم کی تیز آواز آئی۔ شائد وہ بھی اپنے کمرے سے نکل آیا تھا۔

"گھبراؤ نہیں" شہناز نے کہا، جو دروازے باہر برآمدے میں کھڑی ہوئی تھی "شریف صاحب رخسانہ کو کمرے سے نکالنے گئے ہیں"۔

اور پھر اسی وقت شریف تیزی سے آگ کے شعلوں میں سے گذرتا ہوا رخسانہ کو گود میں اٹھائے۔ شہناز کے کمرے کی طرف بھاگتا چلا گیا۔ ایک ملازم پانی کی بھری ہوئی بالٹی لایا اور جلتی ہوئی دیواروں اور فرش پر الٹ دی۔ ندیم کو بھی جیسے ہوش آیا وہ باتھ روم کی طرف دوڑا۔ دوسرے منٹ وہ بھی ایک بالٹی پانی سے بھرے چلا آرہا تھا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ جو آگ بظاہر اتنی خوفناک سی معلوم ہو رہی تھی تین چار بالٹیوں ہی میں سرد ہو گئی۔ اس طرف سے اطمینان ہوتے ہی وہ شہناز کے کمرے کی جانب لپکا۔ شریف ابھی تک پلٹ کر نہیں آیا تھا۔ ندیم نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔

"شریف بھائی" اس نے کواڑ پیٹ ڈالے" دروازہ کھولئے"

"ذرا ٹھہرو ابھی کھولتا ہوں" اندر سے شریف کی آواز آئی۔

"تقریباً تین چار منٹ بعد دروازہ کھلا تو ندیم بے تابانہ اندر گھس گیا۔ کمرے میں ٹیوب لائٹ کی روشنی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں ندیم نے رخسانہ کو پلنگ پر بے سدھ پڑے ہوئے دیکھا اس کے چہرے پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"اسے کیا ہوا شریف بھائی" ندیم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے" شریف نے مطمئن لہجہ میں جواب دیا" ایک جلتی ہوئی لکڑی رخسانہ کے منہ پر گر پڑی تھی۔ ایک گال معمولی سا جھلس گیا ہے آنکھیں وغیرہ بالکل محفوظ ہیں۔ میں نے دوا لگا کر پٹی باندھ دی ہے۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی"

"مگر یہ آگ لگی کیسے"

"ممکن ہے یہ میری ہی غفلت کا نتیجہ ہو" شریف نے شرمندگی کے ساتھ کہا" میں شہناز کو اپنی کھینچی ہوئی کچھ ڈاکومینٹری فلمیں دکھا رہا تھا۔ اسکرین برآمدے میں ایک طرف فٹ کیا تھا اور مشین رخسانہ کے کمرے کے دروازے کے باہر رکھی ہوئی تھی۔ فلم کے کچھ ڈبے اٹھا کر اپنے کمرے سے لایا تو وہ میرے ہاتھ سے گر کر کھل گئے اور سیلولائڈ فلم برآمدے میں بکھر گئی۔ کچھ دیر پہلے میں نے سگریٹ پی کر وہاں پھینکا تھا۔ شاید فلم کا کچھ حصہ اس پر جا پڑا اور ایکدم سے آگ لگ گئی۔ میں نے جلدی سے مشین تو ہٹالی مگر وہ میز اور دوسرا سامان

جو نیچے فرش پر رکھا ہوا تھا شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ دیواروں پر وال پیپر لگا ہوا تھا، وہ بھی سلگنے لگا۔ رخسانہ کا کمرہ زد میں تھا۔ اس لیئے آگ بڑھنے کی صورت میں اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ میں پہلے اسے نکال لایا۔" وہ لمحہ بھر کے لیئے رُکا۔

میرا خیال ہے آگ تو تم لوگوں نے بجھا دی ہوگی۔"

"ہاں آگ بجھ گئی ہے۔" ندیم نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"امید ہے کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا ہوگا۔" شریف نے کہا۔ "تم یہاں بیٹھو میں ذرا وہاں دیکھ کر آتا ہوں۔ مگر دیکھو خاموش بیٹھے رہنا۔ رخسانہ غالباً بے ہوش ہے۔ اسے اٹھانے یا اس سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

"میں کسی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں" ندیم نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" شریف نے جواب دیا۔ "تھوڑی بہت ڈاکٹری میں بھی جانتا ہوں۔ ضرورت کے مطابق پٹی کر دی ہے اور اسے ایک مسکن دوا بھی دے چکا ہوں۔ صبح ہونے دو پھر دیکھا جائے گا۔"

رخسانہ نے ٹٹولتی ہوئی انگلیوں سے شہناز کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپا یہ سب کیا ہوگیا" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "سچ بتایئے کیا میری آنکھیں میرا چہرہ سب کچھ جل چکا ہے"

"کیسی نادانی کی باتیں کر رہی ہو۔" شہناز نے ہمدردی سے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے جواب دیا۔ "تم نے سنا نہیں ڈاکٹر صاحب ابھی کیا کہہ گئے ہیں انھوں نے بتایا ہے کہ آنکھوں پر تو خدا کے فضل سے خراش تک نہیں آئی ہے اور چہرہ بھی بس معمولی سا جلا ہے۔ جو تھوڑے ہی دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں جانتی ہوں۔ آپ شریف بھائی ڈاکٹر صاحب سب مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے بتانا نہیں چاہتے مگر...... مگر آنکھیں ٹھیک

بھی ہو گئیں تو اپنا جھلسا ہوا چہرہ لے کر میں کیا کروں گی کہاں جاؤں گی"

"پھر وہی بچوں کی سی باتیں" شہناز نے بڑی بہن جیسے پیار سے کہا "سب کچھ بالکل اس طرح ہو گا جس طرح تم چاہتی ہو میں نے ندیم کو راضی کر لیا ہے، وہ تمہارے اچھے ہوتے ہی طلاق کا کاغذ لکھ دے گا، شریف صاحب نے سیٹھ رمضانی سے بھی بات کر لی ہے وہ بڑی خوشی سے تمہیں اپنی بہو بنانے پر تیار ہیں، تم کمال سے شادی کرنا چاہتی ہو نا تو سمجھ لو کہ تمہارے ٹھیک ہوتے ہی شہنائیاں بھی بجنے لگیں گی"

"آپا" رخسانہ ایک دم گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی "یہ آپ نے کیا کہا"

"آرام سے لیٹی رہو" شہناز نے اسے پھر لٹا دیا "کیوں تمہیں کیا یہ بات سن کر خوشی نہیں ہوئی"

"میں نے آپ سے یہ کب کہا تھا کہ میں کمال سے شادی کرنا چاہتی ہوں"

"مجھے تمہاری اس رات کی باتوں سے تو یہ ہی اندازہ ہو رہا تھا" شہناز نے جواب دیا "پھر ندیم نے جو حالات سنائے اس سے بھی ہم لوگوں نے یہ ہی رائے قائم کی کہ تمہیں ندیم کے مقابلہ میں کمال بہت پسند ہے"

"میں آسکتا ہوں آپا" ندیم کی آواز آئی۔

"یہ کیا تمہیں اندر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت کب سے محسوس ہونے لگی" شہناز بولی "آتے کیوں نہیں"۔

"یہ کمرہ رخسانہ صاحبہ کا ہے" ندیم نے کہا اور رخسانہ کو اس کی آواز بڑی بجھی ہوئی سی محسوس ہوئی "میں ان کی اجازت کے بغیر کیسے آسکتا ہوں"۔

"شکر ہے آپ کو یہ احساس تو ہوا کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن میں دوسروں کی خواہش معلوم کرنا پڑتی ہے۔ انسان ہر ایک پر اپنی خواہش اور اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا" رخسانہ نے آہستہ لہجے میں کہا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے" ندیم نے دانستہ رخسانہ کی بات نظر انداز

کرتے ہوئے پوچھا.

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کو میری طبیعت کے اچھے یا برے ہونے سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے" رخسانہ نے تلخی سے جواب دیا. "آپ تو یہ فرمائیے کہ مس نادرہ کا کیا حال ہے. آپ کی شامیں تو بلاشبہ کلب میں ہی گذر رہی ہونگی"

"جی ہاں آپ کا اندازہ درست ہے" ندیم کے لہجہ میں بھی ترشی آگئی "اور آپ کو یہ سن کر بھی خوشی ہوگی کہ سیٹھ رمضانی نے ہماری شادی کی اجازت دے دی ہے"

"پھر تو مبارک ہو" رخسانہ ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی "ابھی شہناز آپا نے بھی مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی شاید آپ نے نہ سنا ہو. اس لئے بتاتی ہوں کہ سیٹھ صاحب میری اور کمال کی شادی کی اجازت بھی دے چکے ہیں"

"میں یہ خبر سن چکا تھا مگر آپ کے منہ سے سن کر کچھ اور ہی لطف آیا" ندیم نے جواب دیا "خدا کمال صاحب کو مستقل مزاجی کی توفیق دے اور وہ شادی کے بعد صرف آپ پر قناعت کر سکیں"

"یہ آپ نہیں آپ کی فطرت میں چھپا ہوا شیطان بول رہا ہے" رخسانہ نے تیزی سے کہا "فطری بات ہے کہ انسان جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتا ہے"

"درست ہے" ندیم نے چبھتے ہوئے لہجہ میں کہا "اور یہ شیطان بھی کتنا احمق تھا کہ نواب گنج سے دولت آباد تک پورے ڈھائی سو میل اور آٹھ گھنٹے کے سفر میں بھی ایک ایسی لڑکی سے استفادہ نہیں کر سکا جو ہاتھ جوڑ کر اس کی بیوی بننے کی درخواست کر رہی تھی"

"ہاں بھئی تو میں کہہ رہا تھا کہ" سیٹھ رمضانی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے "شاید آج کل درخواستوں کا موسم آیا ہوا ہے سب سے پہلے حکومت نے

اگلی شش ماہی کے لیے امپورٹ لائسنس کی درخواستیں طلب کیں پھر پبلک سروس کمیشن کا نمبر آیا اور تمام انگریزی کے اخبارات وانٹیڈ کے اشتہارات سے بھر گئے۔ یہ اشتہارات بھی خوب ہوتے ہیں۔ کل ایک اشتہار دیکھا۔ اب تک یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ ماما ایک فطری چیز ہوتی ہے مگر اشتہار دیکھ کر پتہ چلا کہ جب تک ایک خاص گھی نہ کھایا جائے۔ امی کے دل میں ماما ہی نہیں جاگتی۔"

وہ یک لخت کمال کی طرف گھوم گئے جوان کے پیچھے آرہا تھا۔

"کمال میاں میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا کہ خانساماں کو ہدایت کردو کہ میرے لیے زیادہ گھی کی ہانڈی نہ پکائے مگر وہ روزانہ پاؤ بھر گوشت میں سیر بھر گھی ڈال کر رکھ دیتا ہے اور گوشت کو دیکھئے تو چیونگم بنا ہوا ہے صبح سے شام تک چباتے رہیئے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ چیونگم کھا کھا کر بچوں کے دانت علیحدہ خراب ہوئے جا رہے ہیں مگر...... میں کیا کہہ رہا تھا بھئی؟"

"آپ رخسانہ صاحبہ سے پوچھ رہے تھے کہ ان کی طبیعت کیسی ہے؟"

کمال نے جلدی سے کہا۔

"ہاں تو بیٹی" سیٹھ صاحب رخسانہ کے پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے" میں پوچھ رہا تھا کہ آج تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ شریف صاحب بتا رہے تھے کہ انشاء اللہ چار پانچ دن بعد تمہاری پٹی کھلنے والی ہے۔"

"جی ہاں" شہناز نے جواب دیا" آج بدھ ہے۔ خدا نے چاہا تو اتوار یا پیر کو پٹی کھل جائے گی۔"

"انشاء اللہ انشاء اللہ" سیٹھ صاحب نے بڑی قرأت کے ساتھ کہا" مگر بھئی ہم اپنی بیٹی کے منہ سے سننا چاہتے ہیں۔"

"کیسی طبیعت ہے رخسانہ" کمال نے بھی بڑی محبت سے پوچھا۔

"اچھی ہوں۔ آپ لوگوں کی دعا ہے" رخسانہ نے جیسے بڑی مجبوری سے جواب دیا" پتہ نہیں قسمت کو کیا منظور ہے۔"

"تمہاری قسمت کو تو اچھا ہی منظور ہے بیٹی" سیٹھ صاحب بولے۔

"مگر میری قسمت میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی سکریٹری لکھی ہی نہیں گئی ہے۔ اب تک کم سے کم دس پندرہ سکریٹری رکھ چکا ہوں۔ لڑکیاں بھی اور لڑکے بھی مگر کوئی اللہ کا بندہ یا بندی ایک دو ماہ سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔"

"نوکری چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں" شہناز نے مسکراتے ہوئے پوچھا "یا آپ انہیں ٹھہرنے نہیں دیتے۔"

"پتہ نہیں کیا مصیبت ہے" سیٹھ صاحب نے جواب دیا "مشکل سے ایک ماہ گزرتا ہے کہ ان کی درخواست آجاتی ہے کہ فلاں تاریخ کو فدوی کی شادی ہو رہی ہے۔ اس لئے شادی کے اخراجات کے لئے ایک مہینہ کی پیشگی تنخواہ اور ہنی مون منانے کے لئے تین ماہ کی رخصت مرحمت فرما کر ممنون کریں۔ اب سوچنے کی بات ہے۔ مہینہ بھر کی نوکری کے بعد تین مہینے کی چھٹی کون دے سکتا ہے۔ چنانچہ یا تو میں ان کو نوٹس دے دیتا ہوں یا وہ استعفیٰ دے جاتے ہیں۔ مگر ہماری رخسانہ بیٹی ان سب سے ہوشیار نکلی۔ یہ شادی بھی کرے گی۔ تین ماہ کی چھٹی مع تنخواہ بھی وصول کرے گی اور میں اسے نوٹس بھی نہیں دے سکتا کہ شادی کے جرم میں میرا اپنا بیٹا بھی ماخوذ ہے۔"

"کیا نادرہ نہیں آئی ہیں" رخسانہ جو اتنی دیر سے اس کی آواز سننے کی کوشش کر رہی تھی آخر پوچھ بیٹھی۔

"نہیں بیٹی" سیٹھ صاحب نے بتایا۔ "اس کی کچھ طبیعت خراب ہے۔"

"خیریت تو ہے" شہناز نے پوچھا "کیا طبیعت خراب ہے۔"

"سر میں درد بتا رہی تھی" سیٹھ صاحب نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اب میں نے آئندہ کوئی سکریٹری رکھنے کا ارادہ ختم کر دیا ہے۔ نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری۔ نہ ہوگی کوئی سکریٹری اور نہ آئے دن شادی کی درخواستوں سے میرا دماغ خراب ہوگا۔ ویسے تمام سازوں میں

بانسری سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر ایرا غیرا انہیں بجا سکتا۔ یوں پسند کا جہاں تک تعلق ہے کچھ لوگ بگل کو نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ اسے ساز و سامان میں شمار کرنے پر بھی اصرار کرتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے بگل واحد شے ہے جسے اناڑی اور استاد دونوں ایک ہی جیسا بجاتے ہیں۔ پرسوں ایک صاحب بتا رہے تھے کہ انہیں بغلیں بجانے کا بہت شوق ہے اور اس میں اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ تمام سُروں میں بجا سکتے ہیں۔ بڑی شکایت کر رہے تھے کہ آج کل اس فن کا کوئی قدر دان ہی نہیں ملتا۔ ورنہ پرانے زمانے میں دستور تھا کہ بادشاہ کورنش اور مجرا بجانے والوں کے ساتھ ساتھ بغلیں بجانے والوں کو باقاعدہ ملازم رکھا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا۔ اچھا یہ بتایئے کہ آپ مالکوس کا خیال تین تالوں میں بجا سکتے ہیں۔ کہنے لگے مالکوس کا خیال جناب آپ کی دعا سے ٹھمری، دادرا، بھیرویں میاں کی ٹوڈی اور بیوی کی ملہار۔۔۔۔"

"بیوی کی ملہار" شہناز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"مجھے بھی بہت تعجب ہوا تھا" سیٹھ صاحب نے جواب دیا "مگر انہوں نے بتایا کہ اب تک تمام ماہرین موسیقی انتہائی جانب داری کا ثبوت دیتے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بیوی کی ملہار سے زیادہ پرانا اور تاریخی کوئی اور راگ نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ وہ ہی راگ ہے جسے گا کر ماما حوّا نے بابا آدم کو گیہوں کا دانہ کھانے پر آمادہ کیا تھا اور آپ کا یہ خادم اس راگ سمیت عام راگوں کو تین کیا سات سات تالوں میں گا چکا ہے۔ بلکہ ایک بار نواب اودھم پور نے تو غضب ہی کر دیا۔ مجھے دھوکے سے دعوت کے بہانے بلایا اور اپنے کمرہ خاص میں بند کر کے ایک نہ دو پورے چودہ تالے باہر کنڈی میں لگا دیئے۔ مگر آپ کی دعا سے اس ناچیز نے جب مالکوس کا خیال چھیڑا تو نواب صاحب دانتوں میں انگلیاں کاٹنے لگے اور پوری محفل چودہ تالوں میں میرا راگ سن کر وجد میں آگئی۔ نواب بیگم کو خبر ہوئی تو وہ بھاگی ہوئی آئیں کہ خدا کے لئے بس کر دو ورنہ نواب صاحب اپنی تمام انگلیاں

کاٹ ڈالیں گے۔ چوبدار نے جلدی جلدی تالے کھولنا شروع کئے مگر جب تک چودہ تالے کھلے اور میں آخر کار خاموش ہوا تو نواب صاحب کی آدھی انگلیاں غائب تھیں۔ بعد میں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ان کے لئے پیرس سے دوسری انگلیاں منگوائی گئیں۔

شہناز بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ کمال بھی قہقہے لگا رہا مگر ندیم کے ہونٹوں پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی اور رخسانہ جیسے زبردستی ایک پھیکی ہنسی ہونٹوں پر چپکائے بیٹھی تھی۔

"آپ کی باتیں بڑی دلچسپ ہیں، سیٹھ صاحب" شہناز نے کہا" اگر کمال صاحب کو بھی یہ خوبی آپ سے خون میں ملی ہے تو مجھے امید ہے کہ رخسانہ کبھی اداس نہیں رہے گی۔"

"مصیبت تو یہی ہے شہناز بیٹی کہ کمال میاں کو بس باتیں ہی باتیں بنا سکیں" سیٹھ صاحب نے جواب دیا" محنت استقلال کفایت شعاری وغیرہ کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ان خصوصیات کو ہر پشت میں نہیں آنا چاہیئے۔ سب کمانے والے ہی بن جائیں گے۔ تو خرچ کون کرے گا۔ یہ ورثہ باپ سے بیٹے کو نہیں، دادا سے پوتے کو ملنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے شادی کی اجازت محض پوتوں کی امید میں دی ہے۔"

"بس آپ اسی طرح ہر جگہ میری برائی کرتے رہتے ہیں" کمال نے منہ بنایا۔ شہناز ہنسنے لگی۔

"اچھا آپ لوگ بیٹھئے میں چائے بھجواتی ہوں" وہ اٹھتے ہوئے بولی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

"ارے بھئی ماسٹر صاحب" سیٹھ صاحب ندیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ "تم کیوں خاموش خاموش بیٹھے ہو۔"

کوئی خاص بات نہیں" ندیم نے جواب دیا۔

"اور یہ تم پانچ چھ دن سے بے بی کو پڑھانے کیوں نہیں آئے" سیٹھ صاحب

یوں بولے جیسے انہیں اچانک کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ "میرا خیال ہے کہ وہ جو کچھ روٹھی روٹھی سی ہے اس کی وجہ بھی شاید یہ ہی ہے۔"

رخسانہ چونک سی گئی۔ "تو ندیم پانچ چھ دن سے نادرہ سے ملنے نہیں گیا، تو کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ندیم اس کی وجہ سے نہیں گیا۔

"جی ہاں میری طبیعت بھی آج کل کچھ گری گری سی رہتی ہے" ندیم نے بتایا "شاید موسم ہی کچھ خراب جا رہا ہے۔"

"جب لوگ صاف صاف کسی بات کا اقرار نہیں کر سکتے تو موسم کو مورد الزام ٹھہرانے لگتے ہیں" کمال نے کہا۔

"میں آپ سے مخاطب نہیں ہوں کمال صاحب"

"میں بھی آپ سے نہیں ڈیڈی سے بات کر رہا تھا۔"

"ارے ارے کیا تم لوگ چڑیا کا سا دل رکھتے ہو" سیٹھ صاحب نے نصیحت کی "اسپورٹس مین اسپرٹ سے کام لینا تو جیسے جانتے ہی نہیں۔ معمولی سی بات ہے۔ رخسانہ بیٹی کی شادی تم سے ہو گئی تھی۔ کسی بھی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکی تو عقلمندی یہ ہی ہے کہ صلح صفائی سے الگ ہو جاؤ اور جب الگ ہو گئے تو پھر اس بات پر ناک بھویں چڑھانا بالکل بیکار ہے کہ وہ کسی اور سے شادی کیوں کر رہی ہے۔ اسی طرح کمال میاں تمہیں بھی یہ حق نہیں پہونچتا کہ اسے فتح و شکست کا مسئلہ بنا لو۔ ممکن ہے کل تمہاری بھی رخسانہ سے نہ نبھ سکی تو۔"

"تو محترمہ رخسانہ کسی اور سے بیاہ رچا لیں گی" ندیم نے آہستہ سے کہا "شادی کو فطرت انسانی کا تنوع بخش دیا گیا ہے۔ تو پھر یہ چکر ایک دو پر بھی کیوں رکے"

"بالکل بالکل" سیٹھ صاحب نے فوراً تائید میں سر ہلایا "میں یہ ہی تو کہہ رہا تھا۔ بھئی ہم ایک کار خریدتے ہیں۔ پسند نہیں آتی تو اسے بیچ کر دوسری لے لیتے ہیں آخر نئی تہذیب میں بیوی اور کار میں فرق ہی کیا رہ گیا ہے۔ ایک بچوں کی تھوڑی سی پریشانی تھی کہ شادی تو خیر دوسری تیسری ہو جائے گی مگر جہیز میں بچے لینا ہر

کوئی پسند نہیں کرے گا تو اس کے لئے خدا رکھے فیملی پلاننگ کے مرکز جگہ جگہ کھلے ہوئے ہیں۔ میں تو اس شخص کے ذہن کو داد دیتا ہوں جس نے مسلمانوں کو خاندانی منصوبہ بندی کا سبق پڑھایا تھا۔ شیر دل رچرڈ کے وہم و گمان میں بھی یہ انوکھی تجویز نہیں آئی ہوگی کہ مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کی شکست کا بدلہ یوں بھی لیا جا سکتا ہے کہ انہیں پیدا ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا جائے۔ قتل کے معاملے میں کسی شاعر کا شعر بھی تو ہے کہ یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا۔ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی۔ بہرحال تو میں کہہ رہا تھا کہ فرعونوں کا دور اپنی تمام خرابیوں کے باوجود مصر کی تاریخ کا سب سے سنہری دور کہا جاتا ہے اور صاحب یہ سنہری دور کی اصطلاح بھی خوب نکالی گئی ہے۔ بہت سی قومیں تو اتنی مرعوب ہیں کہ سنہری دور کے لالچ میں فرعونوں کو اپنے سروں پر مسلط کر لیتی ہیں غلط فہمی یوں پیدا ہوتی ہے کہ تاریخ میں سنہری دور کا ذکر تو جگہ جگہ ملتا ہے مگر یہ شاذ و نادر ہی واضح ہوتا ہے کہ وہ دور سنہری کس کے لئے تھا ہمہ شما کے لئے یا عالم پناہ کے لئے مگر نہیں میں تو شاید یہ کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ سنہری دور کہاں سے آ گیا تمہیں معلوم ہے میاں ندیم کہ کیا بات ہو رہی تھی۔"

"غالباً آپ کچھ چائے کے بارے میں فرما رہے تھے کہ سیلون کی سنہری چائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ندیم کمال بولا۔

"سیلون کی سنہری چائے" سیٹھ صاحب نے ایک قہقہہ لگایا "میاں صاحبزادے چائے کے بارے میں تو تمہاری معلومات کا یہ حال ہے چاہ کا امتحان کیسے دوگے۔ سیلون کی سنہری نہیں، گرین ٹی مشہور ہے۔ یعنی سبز چائے۔ مگر لاحول ولاقوۃ یہ شہناز بیٹی گھنٹہ بھر سے چائے کے لئے کہہ کر گئی ہے مگر ابھی تک چائے تو کیا چائے کی خوشبو بھی ناک میں نہیں آئی میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔"

اور یہ کہہ کر سیٹھ رمضانی اپنی بھاری بھرکم توند سنبھالتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

"میرا خیال ہے" ندیم بھی اٹھتے ہوئے بولا "کہ آپ دونوں طالب مطلوب اتنے دن کی جدائی کے بعد ملے ہیں تو یقیناً تنہائی میں باتیں کرنے کے خواہش مند ہوں گے۔ میں جب آپ کے راستے سے ہی ہٹ رہا ہوں تو اس پر بیٹھے رہنے کے لئے اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔"

"آپ آدمی تو خاصے سمجھ دار ہیں مگر ذرا دیر سے سمجھتے ہیں" کمال نے کہا۔

"سچ کہا آپ نے" ندیم نے بظاہر لاپرواہی سے جواب دیا "بات یہ ہے کہ میں ان معاملات میں آپ کی طرح تجربہ کار نہیں ہوں نا اسی لئے غلطی ہو جاتی ہے"

"دیکھئے اب پھر آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس سے خواہ مخواہ مجھے غصہ آجائے" کمال بگڑنے لگا۔

"ختم کرو کمال" اچانک رخسانہ بول اٹھی "میں اب اس تو تو میں میں سے تنگ آچکی ہوں"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا رخسانہ یہ ندیم ......"

"خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ" رخسانہ کی آواز ایک دم تیز ہو گئی۔ "اور پلیز ندیم صاحب آپ بھی میرے حال پہ رحم کریں مجھے تنہا چھوڑ دیں یہاں"

ندیم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر کچھ سوچ کر رک گیا چند لمحے رخسانہ کو غور سے دیکھتا رہا اور پھر یکبارگی تیزی سے گھوم کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ کمال اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کرسی پہ آبیٹھا جس پر شہناز بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر رخسانہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

"اف تمہارے ہاتھ تو بالکل برف ہو رہے ہیں" وہ چونک کر بولا

رخسانہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

"ایک بات پوچھوں کمال" اس نے بڑے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"ضرور پوچھو۔"

"کیا تم سچ مچ مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

"اس سوال کا جواب مجھ سے نہیں میرے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھو رخسانہ"
کمال نے آواز کو پر اثر بنانے کے لئے پوری کوشش کر ڈالی تھی "مجھے تو دراصل کل شام ہی ڈیڈی سے معلوم ہوا کہ تم پر کیا حادثہ گذر گیا ہے۔ تم نے تو مجھے اطلاع کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ کل شام بھی اگر شریف صاحب ڈیڈی سے میرے اور تمہارے متعلق بات کرنے نہ جاتے تو ہم لوگ آج بھی بے خبر ہی ہوتے مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم مجھے اتنا غیر سمجھتی ہو معلوم ہے ان پانچ دنوں میں جب سے کہ تم اپنی ڈیوٹی پر نہیں آ رہی ہو دن رات کا ایک ایک لمحہ میں نے تمہاری یاد میں تمہارے تصور سے باتیں کرتے ہوئے گذارا ہے۔ آج ڈیڈی کاروبار سے میری لاپرواہی کی جو شکایت کر رہے تھے اس کی وجہ بھی یہ ہی تھی کہ میں نے چار دن سے آفس میں قدم نہیں رکھا ہے۔ کوئی ایک فائل اٹھا کر نہیں دیکھا کسی ایک خط کا جواب نہیں دیا۔ میز پر ڈاک کا ڈھیر اس بات کا گواہ ہے ~~میرے کمرے میں جاکر~~ دیکھو کمرے کی ابتر حالت دیکھ کر تمہیں خود یقین آ جائے گا کہ تمہاری جدائی کی یہ گھڑیاں میں نے کس عالم میں گذاری ہیں۔ دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ بھی آتی تھی تو یہ ہی گمان ہوتا کہ شاید تم آ گئی ہو۔ ہوا کا جھونکا بھی چلتا تو میں کھڑکی کھول کر اس میں بھی تمہارے معطر جسم کی خوشبو......"

"شاعری مت کرو کمال" رخسانہ نے بات کاٹی "میں نے تم سے سیدھے سادے الفاظ میں ایک سوال پوچھا ہے اور دو ٹوک طریقہ پر اس کا جواب سننا چاہتی ہوں"

"تم نے کیا سوال پوچھا تھا" کمال نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"میں نے پوچھا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو" رخسانہ نے بڑے تحمل سے

اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں دل و جان سے۔"

"مجھ سے یا میرے حسین چہرے اور سڈول جسم سے"

آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو رخسانہ۔"

"میری بات کا جواب دو کمال میں آج زندگی کے دوراہے پر کھڑی ہوئی ہوں اور تمہارے جوابات میرے اگلے قدم کی بنیاد بن سکتے ہیں۔"

"میں نے تمہاری روح تمہارے بلند کردار اور شریفانہ جذبات کو چاہا ہے رخسانہ" کمال نے جواب دیا "میری نگاہیں ظاہر پرست نہیں ہیں۔ تم اتنی حسین نہ بھی ہوتیں تب بھی میں دنیا کی حسین ترین عورت کو تمہارے لئے ٹھکرا دیتا۔"

"تمہیں معلوم ہے میرا چہرہ آگ میں جل گیا ہے ......"

"اوہ اب میں سمجھا" کمال اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "مگر میں خود ڈاکٹر عباس سے مل چکا ہوں اور انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ خطرے یا پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے انہیں سو فیصدی امید ہے کہ اول تو چہری اتنا جلا نہیں ہے جو معمولی سے چھالے ہیں بھی تو ان کے نشان ایک دو ماہ میں غائب ہو جائیں گے۔"

"مجھے اپنی بات پوری کرنے دو کمال" رخسانہ نے کہا۔ "تم جانتے ہو میرا چہرہ جل چکا ہے۔ اگر پٹی کھلنے کے بعد تم نے میرے حسین چہرے کی جگہ کوئی بدصورت خوفناک چہرہ دیکھا تو تم مجھے ٹھکرا تو نہیں دو گے۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے"

"نہ سہی تم میری بات کا جواب دو۔"

"میں . . . . میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہارے چہرے یا جسم

سے نہیں تم سے محبت کرتا ہوں۔ کیا پھر بھی اس سوال کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

"ہاں رہ جاتی ہے"

"تو سن لو کہ پٹی کھلنے کے بعد تم پہلے جیسی ہو حسین یا بدصورت صرف میری ہو" کمال نے جواب دیا مگر اس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے بالکل عاری تھا۔

رخسانہ نے ایک گہری سانس لے کر سر دوبارہ تکیہ پر رکھ دیں نہ معلوم کیا بات تھی کہ اپنے سوالات کے جوابات پانے کے بعد بھی اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ مگر یہ بے چینی کس بات کی تھی اس کا جواب خود وہ بھی نہیں جانتی تھی۔

جاسوسی ادب کی معیاری کتابیں کم سے کم قیمت میں

جاسوسی ناولوں کے مقبول ترین مصنف ایچ اقبال کے قلم سے

عمران سیریز

بے باک لڑکی — دُہری چال

ایک جلد میں دو کتابیں ○ قیمت :/ روپے

پرمود سیریز

جاسوس شہزادہ — لیڈی بلیک

ایک جلد میں دو کتابیں ○ قیمت :/ روپے

آج ہی طلب فرمائیے

کتابیات پبلیکیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

"ابھی ڈاکٹر صاحب نہیں آئے" رخسانہ نے اضطراب کے ساتھ پوچھا۔
وہ یہ سوال صبح سے نہ جانے کتنی بار کر چکی تھی۔
"میں نے پانچ منٹ پہلے ان کے کلینک فون کیا تھا" کمال نے بتایا
"تو جواب ملا تھا کہ وہ دواخانے سے چل دیئے ہیں بس اب پہونچنے ہی والے ہوں گے۔"
"شہناز آپا کہاں ہیں"
"میں یہیں ہوں میری بہن" سرہانے کھڑی ہوئی شہناز نے جواب دیا۔ "تم پریشان مت ہو۔ خدا نے چاہا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"
اور شریف بھائی" رخسانہ نے پوچھا۔
"وہ ڈاکٹر کو لینے گئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی آتے ہوں گے۔"
کمرے کے دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ رخسانہ کا چہرہ اسی طرف گھوم گیا۔
"ڈاکٹر صاحب آگئے" بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔
"آج ہماری بیٹی کا کیا حال ہے" سیٹھ صاحب نے اندر آتے ہوئے کہا
"میں نے تو اس دن یہاں سے جاتے ہی کیلنڈر پہ آج کی تاریخ نشان زدہ کر دی

تھا۔ روز صبح اٹھتے ہی جب نگاہ جاتی تھی تو یاد آجاتا تھا کہ اب رخسانہ بیٹی کی پٹی کھلنے میں ایک دن اور کم ہو گیا ہے۔ کیا ابھی ڈاکٹر عباس نہیں آئے جاما

"اوہ آپ ہیں" آہستہ سے رخسانہ کے منہ سے نکلا۔

"شریف صاحب انہیں لینے گئے ہیں۔ آتے ہی ہوں گے" کمال نے جواب دیا۔

"تو میں کہہ رہا تھا بیٹی کہ میں روز صبح اٹھتے ہی کیلنڈر دیکھ لیا کرتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے کچھ لوگ صبح اٹھتے ہی آئینہ دیکھا کرتے ہیں۔ انہیں وہم ہوتا ہے کہ اگر صبح ہی صبح کوئی منحوس صورت نظر آگئی تو تمام دن بوریت میں گذرے گا۔ حالانکہ صورت کا بوریت سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض چہرے جتنے حسین ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ بور ہوتے ہیں۔ مگر تم نے تو سنا ہوگا کہ وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس کے برعکس بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہم کا نام تو یونہی مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حکیموں کے پاس کسی بھی بیماری کا علاج نہیں ہے۔ اب سے کوئی پندرہ بیس برس پہلے اس قول کی چھان بین کی گئی تو پتہ چلا کہ یہ قول بذات خود ایک قسم کا وہم ہے اور اس کی وجہ طبی دواؤں کی ارزانی ہے صاحب لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایلوپیتھی علاج پر سینکڑوں اور ہزاروں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود فائدہ پرانی بیماری کے بدلے نئی بیماری سے زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی ایک بیماری سے صحت یاب ہوئے تو دوسری میں مبتلا ہو گئے اس سے اچھے ہوئے تو تیسری لگ گئی۔ اسی لئے بعض محقق اصولِ ایلوپیتھی کا مورث اعلیٰ اس جادوگر کو قرار دیتے ہیں جو چراغ الہ دین کی کہانی میں پرانے چراغ کے بدلے نئے چراغ کی صدا لگایا کرتا تھا۔ بہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ صاحب

لوگ کہتے ہیں کہ جب ایلو پیتھی کی گراں بہا ادویات کا یہ حال ہے تو آنے پائیوں میں ملنے والی طبی دوائیوں سے کیا امید ہو سکتی ہے. شکایت اپنی جگہ پر طبی سائیکولوجیکل یعنی کہ نفسیاتی تھی۔ چنانچہ ملک کے سب سے بڑے دردمند طبی دواخانے کو جو تاؤ آیا تو اس نے اپنی ادویات کی قیمتیں فوراً آسمان پر چڑھا دیں. دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا. نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا. اب صاحب لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ ایلوپیتھی سے مایوسی ہو جائے تو طبی علاج بھی کرایا جا سکتا ہے. رہے عوام سو وہ اب اس بات کے منتظر ہیں کہ ہومیوپیتھی دوائیں بھی ان کی دسترس سے باہر ہو جائیں تو انہیں علاج و معالجہ کے جھنجھٹ سے چھٹی ملے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ.... لاحول ولاقوۃ بالکل ہی ذہن سے نکل گیا کیوں میاں کمال یہ علاج وغیرہ کا ذکر کس سلسلہ میں نکلا تھا.......... اوہ ہاں یاد آ گیا..... بیٹی رخسانہ کی پٹی کھلنے کی بات ہو رہی تھی. مگر سوال یہ ہے کہ پٹی کیسے کھلے گی. ابھی ڈاکٹر صاحب بھی تو نہیں آئے ہیں۔"

"یہ لیجئے آ گئے ڈاکٹر صاحب" کمال نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں شریف ڈاکٹر عباس کا بیگ اٹھائے اندر داخل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس کے پیچھے تھے۔

"آپ نے بڑا انتظار کرایا ڈاکٹر صاحب" شہناز نے مسکراتے ہوئے شکایت کی۔

"مجھے آپ لوگوں کے اضطراب کا احساس تھا مگر ایک تو کلینک میں مریضوں کا ہجوم آج کچھ زیادہ ہی تھا دوسرے مجھے راستہ میں ایک دو دوائیں خریدنے کے لئے رکنا بھی پڑا۔" ڈاکٹر عباس نے جواب دیا۔

"سب سے زیادہ ہماری بیٹی رخسانہ بیچین تھی. بار بار آپ کو پوچھ رہی

تھی" سیٹھ صاحب بولے۔

"جی ہاں رخسانہ صاحبہ کی بے چینی تو ظاہر ہے" ڈاکٹر عباس نے اپنے بیگ سے ضروری چیزیں نکال کر رخسانہ کے پلنگ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "حالانکہ آنکھوں کے بارے میں انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کے خدشات بالکل بے بنیاد تھے۔"

"ڈاکٹر صاحب مجھے اپنی آنکھوں کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی اپنے چہرے کی ہے" رخسانہ بولی "اس ظاہر پرست دنیا میں عورت کا چہرہ ہی اس کے مستقبل کی ضمانت ہے۔ بیشک بے نور آنکھیں بھی میری زندگی کو تاریک کر دیتیں مگر میں جن نگاہوں میں اپنے لئے محبت کی چمک دیکھ چکی تھی۔ ان میں حقارت کی پرچھائیاں دیکھنے سے تو بچ جاتی۔"

"ایک حد تک آپ کا خیال درست ہے" ڈاکٹر عباس نے قینچی اٹھا کر پٹی کاٹتے ہوئے جواب دیا "محبت کا تعلق اول و آخر حسن و خوبصورتی سے ہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر حسن صرف چہروں میں تو نہیں ہوتا۔ سیرت و کردار میں بھی ہوتا ہے۔ جذبات و احساسات میں بھی ہوتا ہے۔ نظریات و خیالات بھی ایک حسن رکھتے ہیں افعال و اطوار بھی خوبصورت ہوا کرتے ہیں۔ بیشک بہت سی آنکھیں صرف چہروں میں بھٹک کر رہ جاتی ہیں مگر رخسانہ صاحبہ آپ کو انسان سے اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ کچھ سطحی نظروں کو آپ کا چہرہ دیکھ کر مایوسی ہو لیکن آپ کا حسن اگر صرف چہرے تک محدود نہیں ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا مستقبل تاریک نہیں ہو سکتا۔"

"آپ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں ...... جیسے ... جیسے ..."

رخسانہ اپنا فقرہ مکمل نہیں کر سکی۔

"انسان کو ہمت و استقلال سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے" ڈاکٹر

صاحب نے سنجیدگی سے کہا "میں آپ کی پٹی کھول رہا ہوں۔ ابھی چند لمحوں میں آپ خود سب کچھ دیکھ لیں گی۔ مگر میرا یقین کیجئے کہ جو کچھ آپ کو نظر آئے وہ زندگی کا آخری باب نہیں ہوگا۔"

"کمال صاحب" رخسانہ نے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا "آپ کہاں ہیں۔ میرے پاس آیئے میں چاہتی ہوں کہ سب سے پہلے مجھے آپ دیکھیں۔"

کمال نے آگے بڑھ کر خاموشی سے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے سامنے ہی پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر عباس پوری پٹیاں کھول چکے تھے اور اب چہرے پر رکھے ہوئے روئی کے پیڈ اٹھا رہے تھے۔ کمرے میں ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ شریف شہناز سیٹھ صاحب اور کمال سب کی نظریں ایک بیتابی کے عالم میں ڈاکٹر عباس کے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب پیڈ اٹھانے سے پہلے ایک لمحہ کے لئے رکے اور پھر ایکبارگی وہ پردہ اٹھ گیا جو اب تک دیکھنے والی آنکھوں اور رخسانہ کے چہرے کے درمیان حائل تھا۔ سیٹھ صاحب گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ شریف اور شہناز کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی اور جیسے رخسانہ کے ہاتھ میں اچانک بجلی کا کرنٹ آگیا ہو کمال نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے چہرے پر نفرت و کراہت کے تاثرات ابھرے تیزی سے کئی قدم پیچھے ہٹا اور منہ پھیر کر کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

شہناز آگے بڑھی اور وہ ہاتھ جو کمال چھوڑ گیا تھا گرم جوشی سے تھام لیا اور ہمدردی سے اسے تھپکنے لگی۔ رخسانہ نے کمال کا ردعمل بھی دیکھا اور شہناز کی نگاہوں سے ٹپکتی ہوئی گہری افسردگی بھی اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"آپا مجھے آئینہ دیجئے" اس نے پلنگ پر اٹھ کر سیدھے بیٹھتے

ہوئے کہا۔

شہناز نے ڈاکٹر عباس کی طرف دیکھا۔

"مجھے آئینہ دیجئے آپا ورنہ میں خود اٹھ کر دیکھ لوں گی۔" رخسانہ کی آواز بلند ہوئی۔

شریف نے آگے بڑھ کر سنگھار میز سے آئینہ اٹھا کر شہناز کے ہاتھ میں دے دیا۔ رخسانہ نے ایک جھپٹا سا مار کر آئینہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس کے ہاتھ آئینہ لئے ہوئے چہرے کے بالمقابل اٹھے۔

ایک لمحہ کے لئے رخسانہ کی نظریں آئینہ میں تھرتھراتے ہوئے عکس سے ٹکرائیں۔۔۔۔ اور پھر۔۔۔۔۔ ایک چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ ایسی چیخ جس میں مایوسی کی کراہیں بھی شامل تھیں اور سب کچھ لٹ جانے کا غم بھی۔ آئینہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا اور پاش پاش ہو گیا۔ دوسرے لمحہ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا بدصورت چہرہ چھپائے آنسو بہا رہی تھی۔

اسیرانِ زندگی کے لئے ایک کوچہ گردِ رہ نورد کی سرگزشت
بابر زمان خان کی آپ بیتی جگ بیتی
سب رنگ میں شائع ہونے والا مقبول ترین سلسلہ
بازی گر
قیمت فی حصہ ۴۰/- روپے
ڈاک خرچ فی حصہ ۱۶/- روپے
تیسرا اور چوتھا حصہ شائع ہو چکا ہے
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہِ راست ہم سے منگوائیں
کتابیات پبلی کیشنز ◎ پوسٹ بکس ۲۳۳ کراچی ۱

سب ہی خاموش تھے۔ کوئی کہتا بھی تو کیا کہتا۔ سیٹھ صاحب ایک سکتے کی سی کیفیت میں خاموش کھڑے تھے۔ شریف سر جھکائے کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر عباس اپنا بیگ بند کر رہے تھے۔ شہناز دوبارہ رخسانہ کی طرف ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اور کمال ..... کمال بدستور کھلی کھڑکی کے اس پار خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اچانک رخسانہ نے سر اٹھایا۔ پلنگ سے اتری۔

"مجھے حیرت ہے کہ میں آنسو کیوں بہانے لگی" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا "جائیے سیٹھ صاحب شادی کے انتظامات کیجئے۔ کمال نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ میرے چہرے سے نہیں میری روح سے محبت کرتا ہے۔"

وہ قدم بڑھا کر کمال کے قریب پہنچی۔ اس کا کندھا پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

"اور تم کیوں منہ چھپائے کھڑے ہو کمال ان لوگوں کو بتلاتے کیوں نہیں کہ صورت کے داغ سیرت کے داغ نہیں ہوا کرتے۔ میں اب بالکل صحت یاب ہو گئی ہوں آؤ چلو ہم اپنی پسند کا کچھ سامان خرید لائیں۔"

"ڈاکٹر صاحب" کمال نے ڈاکٹر عباس کی طرف دیکھا گیا رخسانہ کا چہرہ

اب کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"
"مشکل ہے" ڈاکٹر نے افسردگی سے سر ہلایا "پلاسٹک سرجری سے کچھ امید ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے بے انتہا خرچ اور آپریشنوں کے ایک طویل سلسلے کی ضرورت ہے اور اس کے بعد بھی شاید رخسانہ صاحبہ کا چہرہ پہلے جیسا نہ بن سکے۔"
"تو پھر کیا ہوا۔ مجھے کسی پلاسٹک سرجری کی ضرورت ہی کیا ہے" رخسانہ نے تیزی سے کہا "آپ ہی تو بتا رہے تھے ڈاکٹر صاحب کہ حسن صرف چہرے میں نہیں ہوتا۔"
"مجھے افسوس ہے رخسانہ" کمال نے بڑے اجنبی لہجہ میں جواب دیا "میں اس انجام کے لئے تیار نہیں تھا۔ معمولی داغ دھبوں کو تو برداشت کیا جا سکتا ہے مگر اس خوفناک چہرے کو جواب تمہارے شانوں پر رکھا ہوا ہے۔ میں سوسائٹی میں اپنی بیوی کی حیثیت سے متعارف نہیں کرا سکتا۔"
"مگر تم نے مجھ سے ہر حال میں شادی کا وعدہ کیا تھا۔"
رخسانہ جیسے سسکیوں کے درمیان بولی۔
"میرا وعدہ حسین چہرے کی مالک رخسانہ سے تھا تم وہ نہیں ہو" کمال نے تلخی سے کہا "ممکن ہے تم یا کوئی اور مجھے اس کے لئے برا سمجھے مگر میں ایک معمولی انسان ہوں۔ میری نظریں چہرے سے آگے دیکھنا نہیں چاہتیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم ندیم سے طلاق لینے کا خیال ترک کر دو کیونکہ میں ہی نہیں کوئی بھی نوجوان تم سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔"
اور یہ کہہ کر کمال تیزی سے باہر نکلا چلا گیا۔ رخسانہ نے ایک جذباتی قہقہہ لگایا۔
"تم نے سچ کہا کمال" وہ چیخ کر بولی "تم انسان ہو اور میں چڑیل ہوں۔ انسان

اور چڑیل کا رشتہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ مگر تمہیں معلوم نہیں۔ یہ ہی بات ندیم بہت پہلے کہہ چکا تھا۔ کہاں ہے وہ۔"

رخسانہ نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"ندیم" وہ چلائی "آج تمہاری کامیابی کا دن ہے یہاں آؤ اور دیکھو کہ تمہاری پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہے۔ ندیم ..... ندیم"

وہ بھاگتی ہوئی جیسے ایک دیوانگی کے عالم میں کمرے سے باہر نکل گئی۔

سب رنگ ڈائجسٹ میں چھپنے والی سلسلے وار کہانی

سوناگھاٹ کا پجاری

قیمت:- ۴۰/- روپے ○ ڈاک خرچ:- ۱۶/- روپے

- ایک ایسے پجاری کی داستان جو صدیوں پہلے مر گیا تھا لیکن اس کی لاش مندر کے تہہ خانے میں اصلی حالت میں موجود تھی۔
- سوناگھاٹ کے علاقے پر اس مُردہ پجاری کی پُراسرار طاقتوں کی حکومت تھی اور وہ ہر جگہ زندہ نظر آتا تھا۔
- ایک مظلوم اور بے بس انسان کی کہانی جو حالات سے تنگ آ کر بدی کی طاقتوں کا غلام بن گیا اور زبردست پُراسرار طاقتیں حاصل کر لیں۔
- وہ طاقتور ترین شخص بن گیا لیکن ایک طاقت اس سے بھی زبردست تھی۔

بدی کی طاقتیں کیا تھیں؟ سراب، دھوکہ یا حقیقت؟
ایک شخص کی ہولناک ترین سرگزشت مکمل طور پر کتابی شکل میں دستیاب ہے۔
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہِ راست ہم سے حاصل کریں۔

سب رنگ ڈائجسٹ کے مندرجہ ذیل سلسلے بھی ہم سے مل سکتے ہیں۔

غلام رُوحیں (مکمل)	اقابلا (مکمل، دو حصے)	انکا (مکمل، دو حصے)
قیمت ۳۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۶ روپے	قیمت فی حصہ ۴۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۶ روپے	قیمت فی حصہ ۴۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۔ کراچی۔

"مجھے معلوم نہیں تھا ندیم کہ تم اتنے سنگدل ہو" نادرہ کی آواز آئی "آج دس دن ہو گئے ہیں کہ تم نے پلٹ کر کوٹھی میں قدم نہیں رکھا ہے۔ آخر مجبور ہو کر مجھے ہی آنا پڑا۔ کیا میں اس بیگانگی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں"

"تم جانتی ہو نادرہ کہ میری شادی ہو چکی ہے"

"ہاں جانتی ہوں کہ قسمت نے تمہیں ایک بیوفا بیوی کا شوہر بنا دیا ہے" نادرہ انتہائی تلخ لہجہ میں بولی "مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تم نے کہا تھا کہ تم اسے طلاق دے رہے ہو اس کے بعد میں نہیں سمجھتی کہ میری اور تمہاری شادی میں کونسی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے"

"ایک چیز ہے جو رکاوٹ بن سکتی ہے۔"

"وہ کیا"

"میرے اور تمہارے مزاج کا اختلاف" رخسانہ نے دروازے سے کان

لگ گئے ندیم کو کہتے سنا" مجھے افسوس ہے کہ رخسانہ کو دکھانے کے لئے میں نے ایک شام کلب میں تمہاری طرف اپنی توجہ کا اظہار کیا تھا۔ جس کے لئے میں شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ بھی۔ مگر وہ ایک نمائشی چیز تھی۔ تم حسین ہو۔ پڑھی لکھی ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ ماڈرن خیالات کی مالک ہو۔ تمہیں اپنی سوسائٹی میں مجھ سے بہتر نوجوان مل جائیں گے۔ ذرا سنجیدگی سے اپنے دل کو ٹٹولو تو تم خود بھی محسوس کرو گی کہ مجھ سے تمہارا لگاؤ۔ وہ شے نہیں جسے دنیا محبت کے نام سے جانتی ہے اور برا نہ مانو تو میں یہ بھی یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہاری نظر التفات مجھ سے پہلے دوسرے خوش نصیبوں کو بھی میسر آتی رہی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم زندگی میں آئندہ میری کمی محسوس کرو۔ عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ ہمیں اس کھیل کو یہیں ختم کر دینا چاہیئے۔ تم جن راستوں پر چلنے کی عادی ہو۔ میں ان پر دو قدم بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ بہتر ہے کہ میرا ہاتھ چھوڑ کر کسی اور ہمسفر کا انتخاب کر لو۔"

"تم میری محبت کا مذاق اڑا رہے ہو۔ ندیم" نادرہ کی تیز آواز آئی۔" اور وہ بھی ایسی عورت کے لئے جو نہ صرف بیوفا تھی بلکہ اب بدصورت بھی بن چکی ہے مجھے یقین ہے کہ آج پٹی کھلنے کے بعد اس کا چہرہ اپنی تمام دلکشی وجاذبیت کھو چکا ہوگا۔"

"رخسانہ کو اس گفتگو میں زیر بحث مت لاؤ" ندیم نے جواب دیا۔

"اتنی نفرت کرتے ہو اس سے کہ نام بھی سننا نہیں چاہتے۔"

"اس سے نفرت یا محبت میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تو تمہارے ذاتی معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں" نادرہ کا لہجہ بڑا زہریلا تھا۔

"میں اتنی دیر سے تمہیں یہ ہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم مجھے کیا سمجھاؤ گے۔ مسٹر ندیم۔ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے" نادرہ چیخی "تمہیں تو اپنی خوش قسمتی پر ناز ہونا چاہیئے تھا کہ میں ایک لکھ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی تمہیں اپنی توجہ کے قابل سمجھ رہی تھی۔ مگر یہ میری غلطی تھی۔ خاک کے ذرے آسمان کے تاروں تک نہیں پہونچ سکتے۔ تم نے سچ کہا تم میری دلبستگی کا ایک وقتی کھلونا تھے۔ ورنہ تم سے اور محبت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اب تک بے شمار کھلونے خرید کر توڑ چکی ہوں۔ مگر مجھے اس کا افسوس رہے گا کہ دوسروں کی طرح تمہیں بھی نہ خرید سکی نہ توڑ سکی۔"

ڈرائنگ روم کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا اور نادرہ غصہ میں پیچ و تاب کھاتی پیر پٹختی باہر نکلی۔ رخسانہ جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ نادرہ نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور تیزی سے گذرتی چلی گئی۔

رخسانہ چند لمحہ دروازے کے پاس کھڑی سوچتی رہی پھر جھجکتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ ندیم ایک کرسی کی پشت پر سر ٹکائے خاموش بیٹھا تھا۔ آہٹ سن کر اس نے آنکھیں کھولیں اور رخسانہ کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات ابھرے مگر اس نے کسی غیر معمولی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

رخسانہ آگے بڑھتی ہوئی بالکل اس کے سامنے جاکر کھڑی ہو گئی۔

"میں پٹی کھلتے وقت اس لئے تمہارے کمرے میں نہیں آیا" ندیم نے آہستہ سے کہا "کہ کہیں تمہیں اپنی نئی مسرتوں میں ایک پرانے غم کی خلش محسوس نہ ہونے لگے۔"

"آپ نے نادرہ کو کیوں مایوس کر دیا" رخسانہ کہنے تو بہت کچھ آئی تھی مگر

نہ جانے کیوں ندیم کے سامنے آتے ہی اس کی حالت کافی پرسکون ہوگئی تھی۔

"میں اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔"

"تو پھر مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کیوں کی کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں۔"

"تم اسے میری حماقت کہہ سکتی ہو۔"

"مگر کیوں"

"شاید اس لئے کہ تمہیں غصہ دلا سکوں۔"

"غصہ تو مجھے واقعی بہت آیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے میں دونوں مرتبہ وہ پن چبھونے والی حرکت دیکھ چکا تھا۔"

"لیکن مجھے غصہ دلانا ہی آپ کا مقصد تھا تو یہ مقصد تو پورا ہوگیا تھا۔ پھر آپ نے اسے حماقت کیوں کہا"

"میرا خیال تھا کہ یہ غصہ رقابت کا ہوگا" ندیم نے آہستہ سے جواب دیا۔

"مگر ظاہر ہے کہ جب تم کمال کو اپنے زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے پسند کر چکی تھیں تو یہ سوچنا میری بیوقوفی ہی تھی۔"

"تو آپ کو یہ سن کر انتہائی مسرت ہوگی کہ کمال صاحب نے اس بدصورت چڑیل کو ٹھکرا دیا ہے۔" رخسانہ بڑے تلخ لہجہ میں بولی "اب تو شاید مجھے خلع کے لئے عدالت تک جانے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی آپ خود ہی طلاق دے دیں گے۔"

"اس کے برعکس میں یہ چاہوں گا کہ اگر اب بھی تمہارے لئے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنا ممکن ہو جو آج کے دن کے لئے طے پا چکا تھا تو مجھے اس فیصلہ پر عمل نہ کرکے خوشی ہوگی۔"

"یہ جان کر بھی کہ کمال مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر چکا ہے"

"کمال کے پاس پرکھنے والی نگاہ نہیں تھی ورنہ وہ پہچان لیتا کہ غرور کی یہ دیوار ٹوٹنے کے بعد تمہاری فطرت کتنی حسین ہو گئی ہے" ندیم نے جواب دیا۔

"یہ آپ میرے بدصورت چہرے پر رحم فرما رہے ہیں یا طنز"

"اگر تم اب بھی مجھے غلط ہی سمجھنا چاہتی ہو تو یہ میری بدقسمتی ہے"

"آخر آپ کیوں اس رشتہ کو قائم رکھنے پر مصر ہیں جو زبردستی آپ پر مسلط کر دیا گیا تھا"

"اس لئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں"

ندیم نے یہ الفاظ کچھ اتنے خلوص سے ادا کئے تھے کہ بے اختیار رخسانہ کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھیں آبگوں ہو گئیں۔

"اور یہ جاننے کے باوجود کرتا ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے ذرا سی بھی گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی" ندیم کہہ رہا تھا "سچ پوچھو تو مجھے کمال سے نفرت کرنے کے باوجود بارہا اس کی قسمت پر رشک آیا ہے کہ اسے تمہاری محبت حاصل ہے"

رخسانہ ضبط نہیں کر سکی۔ پلکوں کے کمزور بند آنسوؤں کے سیلاب کو روکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"میری کوئی بات ناگوار گذری ہو تو معذرت خواہ ہوں" ندیم نے بڑے افسردہ لہجہ میں کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں تمہارے لئے اس حد تک ناقابل برداشت بن چکا ہوں۔ آج ہی یہاں سے چلا جاؤں گا" اس نے ایک گہری سانس لی اور بھاری بھاری قدموں سے دروازے کی طرف چلا۔

"ندیم صاحب" رخسانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"تم نے مجھے آواز دی" ندیم واپس آگیا۔

"مجھے دکھانے کے لئے آپ نادرہ سے محبت ظاہر کر سکتے ہیں تو آپ نے یہ نہیں سوچا کہ ممکن ہے میرا مقصد بھی یہ ہی ہو" رخسانہ نے سر جھکائے ہوئے آہستہ لہجہ میں کہا۔

"رخسانہ" ایک عجیب حیرت و وارفتگی کے عالم میں ندیم کے منہ سے نکلا "سچ کہہ رہی ہو۔"

مگر جواب کون دیتا۔ رخسانہ تو ندیم کے شانے پر سر رکھے آنسو بہا رہی تھی۔

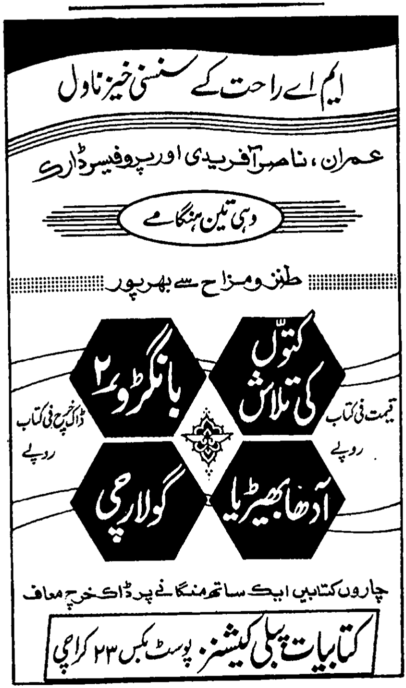

ندیم اور ندیم کے پیچھے سہج سہج کر قدم اٹھاتی ہوئی رخسانہ شہناز کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں شریف بھی موجود تھا۔ اور وہ دونوں بے اختیار قہقہے لگا رہے تھے۔

"یہ آپ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں" ندیم نے حیرت سے پوچھا۔

"ہے ایک بات" شریف نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ہمیں نہیں بتائی جا سکتی" ندیم بولا۔

"ہمیں" شہناز چونکی "کیا مطلب"

"حد درجہ کند ذہن واقع ہوئی ہو" شریف نے کہا "سیدھی سادھی زبان میں اس کا مطلب ہے، ندیم اور رخسانہ"

"مگر ندیم کو رخسانہ کی نمائندگی کا حق کب سے حاصل ہو گیا۔"

"ہاں بھئی یہ سوال تو واقعی غور طلب ہے" شریف نے سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کی "تم دونوں تو غالباً علیحدگی کا فیصلہ کر چکے تھے۔"

"یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ محترم دولہا بھائی" ندیم کا لہجہ بڑا شوخ تھا۔ "ہم لوگ آج شام کی ٹرین سے ہنی مون منانے کے لئے کشمیر جا رہے ہیں۔"

"ایں" شریف نے پلکیں جھپکائیں۔

"کیوں رخسانہ" شہناز نے پوچھا "یہ ندیم سچ کہہ رہا ہے"

جواب میں رخسانہ شرماکر شہناز کے گلے سے لگ گئی۔

"اور وہ جو تم دونوں میں بات بات پر جو تم بیزار ہوتی تھی" شریف نے پوچھا۔

"وہ ہم آپ دونوں کے لئے یہاں چھوڑ جائیں گے" ندیم نے جواب دیا۔

"گویا اب تمہیں اپنے موجودہ رشتہ پر کوئی اعتراض نہیں"

"بالکل نہیں" ندیم نے کہا" بلکہ کشمیر پہونچ کر آپ کے لئے دعائیں مانگیں گے کہ خدا آئندہ بھی آپ کو ایسے نیک کاموں کی توفیق دیتا رہے"

"تو پھر ان دعاؤں میں اپنے اپنے والدین کو بھی شامل کرلینا" شہناز مسکرائی۔

"ہاں یہ ایک مسئلہ ضرور ہے" ندیم اپنی بہن کا مطلب نہیں پاسکا تھا۔ "مگر امید ہے کہ رخسانہ جیسی بہو پاکر امی یا اباجان زیادہ دنوں تک ناراض نہیں رہیں گے۔"

"ناراض" شریف نے ایک قہقہہ لگایا" احمق آدمی یہ رشتہ ہم سے پہلے تو وہ خود ہی طے کر چکے تھے۔"

"کیا ؟" ندیم اور رخسانہ کے منہ سے بہ یک وقت نکلا وہ دونوں حد درجہ حیرت زدہ نظر آرہے تھے۔

"جی جناب" شہناز جیسے خوشی سی کھلی جارہی تھی "تمہیں معلوم ہے کہ اباجان تمہاری شادی کہاں کرنا چاہتے تھے"

"ہاں۔ اپنے دوست کلیم احمد صاحب کی صاحبزادی سے" ندیم نے جواب دیا۔

"ان صاحبزادی کا نام معلوم ہے تمہیں"

"مجھے کیا ضرورت تھی معلوم کرنے کی۔ اب آپ نے کہا ہے تو آپ

ہی بتا دیجئے۔"

"رخسانہ" شہناز کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"نہیں" ندیم نے منہ پھاڑ کر رخسانہ کی طرف دیکھا۔ جواب پہلے سے کہیں زیادہ مسرور و مطمئن نظر آ رہی تھی۔

"نہیں کیا" تمہارے سامنے ہی تو کھڑی ہیں۔ پوچھ کیوں نہیں لیتے"

"اور آپ کو اتنے دن سے یہ بات معلوم تھی مگر آج بتا رہی ہیں"

"ابھی تو کچھ بتایا ہی نہیں ہے صاحبزادے" شریف بھی خواہ مخواہ بیلنے جا رہا تھا

"کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ اگر ہم تمہیں ایک ایسے ڈاکٹر کا پتہ بتا دیں جو تمہاری چاند سی دلہن کو سچ مچ چاند سا بنا دے تو کیا انعام دو گے" شہناز شریف سے پہلے خود بول پڑی۔

"معاف کیجئے" ندیم ایک دم سنجیدہ ہو گیا" آپ کو مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کہنا چاہیئے۔ مجھے یہ چاند اپنے داغوں سمیت ہی پسند ہے"۔

او ہو بھئی لعنت ہے۔ مذاق کرنے والے پر میں بے حد سنجیدہ ہوں" شریف نے جلدی سے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ میرا چہرہ بالکل پہلے جیسا ہو جائے گا" رخسانہ خوش ہو گئی۔

"اور تم پھر پہلے کی طرح مغرور ہو جاؤ گی" ندیم ابھی تک سنجیدہ تھا "جی نہیں مجھے نہیں کرانا ہے یہ علاج"

"عجیب احمق آدمی ہے یہ تمہارا بھائی" شریف نے شہناز سے کہا "یعنی

اسے اپنی بیوی کے حسن سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔"
"مجھے بہت سبق مل چکا ہے ندیم صاحب" رخسانہ نظریں جھکا کر بولی" اب آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اپنے چہرے سے بھی میری دلچسپی اس لئے ہے کہ اب وہ آپ کی ملکیت ہے اور میں کوئی خراب چیز آپ کے پاس دیکھنا نہیں چاہتی۔"
"زندہ باد" شریف اچھل پڑا" قسم خدا کی اس کہانی کا ہر سین ٹاپ پر جارہا ہے۔ اب بولو برخوردار کیا کہتے ہو۔"
"یہ بات ہے تو ضرور بتایئے اس ڈاکٹر کا نام" ندیم نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔
"نام بتانے کی فیس سو روپیہ ہے بھائی صاحب"
"تو یوں کہیئے کہ آپ مجھ سے اپنا پرانا قرض وصول کر رہے ہیں"
"بالکل تمہاری ڈکیتی بھولا تھوڑی ہوں" شریف نے جواب دیا۔
"اچھی بات ہے فیس بھی مل جائے گی" ندیم نے جیسے مجبوراً حامی بھری "بتایئے کس ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑے گا۔"
"تو عرض کرتا ہوں کہ وہ حاذق الملک آپ کے سامنے موجود ہے۔"
شریف نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے فخریہ لہجہ میں کہا۔
"کیا" ندیم چونکا" لاحول ولاقوۃ میں واقعی گدھا ہوں۔ رہنے دیجئے اپنی مسیحائی۔ میں سمجھ گیا۔"
"کیا سمجھ گئے آپ" رخسانہ نے جلدی سے پوچھا۔
جواب میں ندیم قدم بڑھا کر رخسانہ کے قریب پہونچا اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر غور سے دیکھنے لگا۔

"ارے ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔ رخسانہ شرما گئی۔

"ٹھہرو تو ذرا"۔ ندیم نے بدستور غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر دوسرے لمحہ اس نے رخسانہ کے کان کے پیچھے ہاتھ لے جاکر ناخن سے کچھ کھرچا اور چٹکی کی مدد سے ایک باریک سی جھلی پکڑ کر کھینچ لی۔ رخسانہ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی

اور پھر ایسا معلوم ہوا کہ جیسے چاند پر چھائی ہوئی سیاہ بدلی دور ہوتی چلی گئی ہو۔ جھلی اتار کر ندیم نے رخسانہ کو آئینے کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دیا۔

"مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ ایک ماہر میک اپ مین کے گھر میں وہ آگ کا ڈرامہ بڑا مصنوعی سا معلوم ہو رہا تھا"۔ ندیم نے شریف کی طرف پلٹتے ہوئے کہا "پھر آپ دونوں بھی کچھ اوور ایکٹنگ کا شکار معلوم ہو رہے تھے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے ترکیب لاجواب سوچی تھی"۔

"یار بیگم" شریف نے سر کھجایا "یہ سالا واقعی تمہارا ہی بھائی معلوم ہوتا ہے۔ کمبخت نے جیت کا آدھا نشہ ہرن کر دیا"۔

رخسانہ ابھی تک ایک سکتے کے سے عالم میں آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

" تو .... تو ...... کیا میں سچ مچ نہیں جلی تھی" اس نے شہناز سے پوچھا۔

" نہیں میری بہن" اس مرتبہ شہناز نے اسے گلے سے لگالیا۔ "میں نے اس چاند کی سی صورت کو اپنی سچ مچ کی بھابی بنانے کے لئے یہ شرارت کی تھی۔ امید ہے تم معاف کر دو گی۔"

آپ نے بڑی خطرناک شرارت کی تھی آپا" رخسانہ نے کچھ جھینپتے ہوئے کہا" اگر کہیں میں مایوسی میں کوئی غلط قدم اٹھا لیتی تو۔"

" تمہیں اٹھانے ہی کون دیتا۔ ہم لوگ سائے کی طرح تمہارے ساتھ تھے" شہناز نے جواب دیا۔

"ایں" ندیم نے شہناز کو گھورا" اس کا مطلب یہ کہ آپ ڈرائنگ روم میں ہونے والے سین سے بھی واقف ہیں۔"

"ہاں میرے بھولے بھیّا" شہناز نے پیار سے ندیم کے گال پر چپت ماری" آخر ہم یہاں اور کس بات پر ہنس رہے تھے۔"

"اس موقعہ کے لئے شیکسپئر نے کہا ہے کہ کام اچھا ہے وہی جس کا

مال اچھا ہے" شریف ہنستے ہوئے بولا" بہر حال اپنی نند سے مل چکی ہو تو ذرا ہماری طرف بھی دیکھ لو رخسانہ بہن۔"

رخسانہ شرما کر شریف کی طرف گھومنے لگی تھی کہ ندیم جلدی سے درمیان میں آگیا۔

"ارے ارے کیا غضب کرتی ہو" اس نے دوپٹے کا پلو کھینچ کر بالکل منہ چھپا دیا۔" ابھی تو شریف بھائی سے پانچ لال پتے وصول کرنا ہیں۔" اس نے شریف کی طرف دیکھا۔" منہ دکھائی نکالیے دولہا بھائی اس کے بغیر درشن نہیں ہو سکتے۔"

"ارر رے ستیاناس" شریف نے سر پکڑ لیا۔" یعنی چار سو کا خسارہ۔ رہنے دو ہم نہیں دیکھتے۔"

"جی نہیں منہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ اور منہ دکھائی بھی دینا ہوگی" شہناز بولی۔ "کوئی زبردستی ہے۔"

بالکل زبردستی ہے" شہناز نے شریف کی جیب پر چھاپا مارا۔

"جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" شریف نے ٹھنڈی سانس بھری

"اچھا بھائی جب ساری خدائی ایک طرف آگئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اس نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکالا اور رخسانہ کے قریب جا کر منہ پر پڑا ہوا دوپٹہ اٹھا دیا۔ رخسانہ نے نوٹ لے کر سلام کیا اور سچ مچ نئی دلہنوں کی طرح شرما گئی۔

"اور یہ میری طرف سے" شہناز نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی ہیرے کی انگوٹھی نکال کر رخسانہ کو پہنا دی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا" اچانک ندیم بول اٹھا" کہ بے چارہ کمال مفت

میں مارا گیا۔"

اور یہ سنتے ہی شریف پر دوبارہ قہقہوں کا دورہ پڑ گیا۔

"یعنی میں نے کوئی مصر کے کا لطیفہ سنا دیا ہے۔کیا" ندیم نے حیرت سے پوچھا

"کیا پوچھتے ہو بھائی کہ تم دونوں کو ملانے کے لئے ہمیں کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑے ہیں" آخر وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"جی" ندیم کی حیرت دیکھنے کے قابل تھی "پاپڑ"

"اور نہیں تو کیا" شہناز نے جواب دیا "تم دونوں ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے ہوئے تھے۔ یہ کچھ ہمارا ہی دل جانتا ہے کہ بیلتے بیلتے ہتھیلیاں دکھ گئی ہیں۔"

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا" ندیم نے کہا۔

"تم بھول گئے سالے صاحب کہ مابدولت میک اپ مین ہی نہیں ڈائریکٹر بھی ہیں"۔ شریف نے جواب دیا "دولت آباد آنے تک کہانی بے شک تمہاری ڈائریکشن میں چل رہی تھی۔ مگر اس کے بعد کا تمام اسکرین پلے کہانی، مکالمے، اداکار، سیٹ غرض یہ کہ ساری شوٹنگ میں نے ڈائریکٹ کی ہے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"کہ وہ کوٹھی" شریف نے ندیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا "کوٹھی کے سیٹھ صاحب ان کے صاحبزادے کمال اور بیٹی نادرہ فلم انڈسٹری کے نامور اداکار تھے اور ہم مہمان آرٹسٹ اس ڈرامے میں حصہ لے رہے تھے۔"

رخسانہ اور ندیم پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے جا رہے تھے۔ دونوں حیران و ششدر نگاہوں سے شریف کے مسکراتے ہوئے چہرہ کو دیکھ رہے تھے۔

"تم دونوں کی باتیں اور سفر کی داستان سننے کے بعد میرا اور شہناز کا متفقہ فیصلہ تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو" شریف کہہ رہا

تھا" مگر ایک دوسرے کی ضد یا ناسمجھی میں اپنی محبت کو نفرت یا بیگانگی کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر ایسی صورت میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو خطرہ تھا کہ کہیں اس جھوٹ اور بناوٹ کی خاطر اپنی اپنی زندگی تباہ نہ کر بیٹھو۔ چنانچہ میں نے اور شہناز نے سر جوڑ کر اس مسئلہ کا حل تلاش کیا۔ اپنے کچھ اداکار دوستوں کو ملا کر یہ ڈرامہ تیار کیا۔ تمہیں سیٹھ صاحب کی کوٹھی میں ملازمت دلوائی، وہاں یہ ہی طے تھا کہ کمال رخسانہ کے ساتھ اور نادرہ ندیم کے ساتھ اسی طرح پیش آئے گی جس سے تم دونوں یہ سمجھنے لگو کہ تم میں سے ہر ایک کی توجہ کسی اور ہستی کی طرف منعطف ہو گئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان لوگوں نے بھرپور تعاون کیا اور ان کی مدد سے یہ ممکن ہو سکا کہ اپنی اپنی فطرت پر بناوٹ کا چڑھا ہوا نقاب اتار کر تم ایک دوسرے کو صحیح طور پر سمجھنے کے قابل ہو سکے۔"

شریف کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ کمرے کا دروازہ ایک دم سے کھلا اور سیٹھ صاحب، کمال، نادرہ حد تو یہ ہے کہ ڈاکٹر عباس بھی مسکراتے قہقہے لگاتے اندر گھس آئے۔

"بھائیو خدا کے لئے بس کرو" ندیم ہاتھ جوڑ کے گڑگڑایا" یہ سب انکشافات میری صحت کے لئے سخت مضر ثابت ہو رہے ہیں۔ دل بے اختیار دھڑک رہا ہے طرح طرح کے اندیشے سامنے آ رہے ہیں ہر لمحہ یہ گمان ہو رہا ہے کہ اگر کہیں میری بیوی نے بھی کھڑے ہو کر قہقہہ لگاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ میں بھی ڈرامہ ہی کر رہی تھی تو میں غریب کہیں کا نہیں رہوں گا"

اس پر ایک فلک شگاف قہقہہ پڑا۔

"رخسانہ بھابھی" کمال ہنستے ہوئے بولا" ہو جاتے اسی بات پر ایک ڈائلاگ خدا کی قسم مزہ آ جائے گا۔"

اور میری بھابھی مجھ سے تو بہت ہی ناراض ہوں گی"۔ نادرہ نے رخسانہ سے لپٹتے ہوئے کہا" میں نگوڑ ماری ان کے شوہر نامدار پہ ڈورے ڈال رہی تھی۔"

"شوہر نامدار" ندیم چونک کر شریف کی طرف گھوما" آپ کو اپنی چہیتی بیوی کی قسم شریف بھائی خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایمانداری سے بتلایئے کہ ہماری شادی سچ مچ ہو گئی ہے نا کہیں وہ قاضی صاحب بھی کسی دروازے سے نمودار ہو جائیں کہ ایک کیریکٹر ایکٹر میں بھی ہوں۔"

"بس ساری شوخی ہوا ہوگئی" شریف نے بے اختیار مسکراتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں برخوردار شادی تمہاری سولہ آنے پکی ہے۔ البتہ وہ ڈی ایس پی کا فون وغیرہ سب فراڈ تھا۔ یہاں کی پولیس کو تم لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے" ندیم نے دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"تو بھائیو میں کہہ رہا تھا کہ جس طرح پاک پروردگار نے بیٹی رخسانہ اور بیٹے ندیم کی جوڑی ملائی اسی طرح سب کی مرادیں بر لائے" سیٹھ صاحب نے موقع پا کر بولتے ہوئے کہا "آخر میں دو کلمے نصیحت کے اس درویش سے بھی سنتے جاؤ۔ ہر چند کہ میں قصہ چہار درویش کا کوئی درویش . . . . نہیں ہوں مگر . . . ."

"او میرے باپ" کمال نے سیٹھ صاحب کی پیٹھ پر ایک دھپ جمائی "اب یہ ایکٹنگ ختم کرو۔ فلم مکمل ہو چکی ہے۔ سب سے زیادہ . . . . بور تم نے ہی کیا ہے۔ بولنے پر آتے تھے تو کیا مجال کہ کسی دوسرے کو منہ کھولنے کا موقع مل جائے۔ اور پھر کوئی ڈھنگ کی بات بھی ہو۔ نہ سر نہ پیر جو منہ میں آرہا ہے بکے چلے جا رہے ہیں۔"

"ہاں بیٹا اب تم بھی باپ پر دھونس جما لو" سیٹھ صاحب مسکرائے "وہ دن بھول گئے جب کلب میں ندیم صاحب نے لے بھاؤ کی مار لگائی تھی۔"

"قسم خدا کی شریف بھائی" کمال نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "اتنی عمر ہو گئی فلموں میں ولن کا کیریکٹر کرتے ہوئے مگر اب تک کسی ہیرو کے ہاتھ سے ایسی مار نہیں کھائی اور وہ چیت بھی ندیم بھائی نے اتنی صفائی سے لگائی تھی کہ مجھے آخر تک یہ ہی شبہ ہوتا رہا کہ کہیں کسی اور کی شرارت تو نہیں تھی۔ وہ تو جب خود انہوں نے اقرار کیا تب یقین آیا۔"

"تمہیں تو خیر معلوم بھی ہو گیا" نادرہ نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا "مگر

میں ابھی تک حیران ہوں کہ میرے کسی بھڑ نے ہی کاٹا تھا یا . . . . . ” اس نے رخسانہ کی طرف شریر نظروں سے دیکھا۔ ” سچ بتانا رخسانہ بھابھی وہ آپ تو نہیں تھیں ؟ “

بالکل یہ ہی ہوں گی جناب ” کمال بولا ” مجھے یقین ہے ۔ یہ دونوں میاں بیوی ہی مرکھنے ہیں ۔ “

اور رخسانہ شرم سے دُہری ہوکر رہ گئی اور پھر اسی شام کو ندیم اور رخسانہ ایک مرتبہ پھر ٹرین کے فرسٹ کلاس ڈبے میں بیٹھے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ مگر اس مرتبہ وہ دونوں منزل سے نہیں بلکہ منزل کی طرف بھاگ رہے تھے۔

ختم شد ۔